اس ناول میں شامل ہے ایڈونچر ٹائمز اسکول میگزین کا شمارہ نمبر 15 بالکل مفت

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

انسپکٹر جمشید کی شکست

ناول نمبر 748

اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشتیاق احمد

تفریح بھی، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلیکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	انسپکٹر جمشید کی شکست
نمبر	748
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	40روپے

اطلاع عام

بچوں کے مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز، انسپکٹر کامران مرزا سیریز، شوکی سیریز اور عمران سیریز اور دیگر تمام پرانے اور نئے آنے والے ناول صرف اور صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز کراچی سے شائع ہوں گے۔ اگر اشتیاق احمد صاحب کے مذکورہ کرداروں پر مبنی ناول کسی اور شخص یا ادارے نے کسی بھی صورت میں شائع کئے تو وہ ہر قسم کے قانونی مواخذے کا ذمے دار ہوگا۔ اشتیاق احمد کے ناولوں کی ہر طرح کی پبلشنگ کے حقوق صرف اور صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز کے پاس ہیں۔

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ (عرصہ تک) ناراض رہے۔ جو شخص تین دن سے زیادہ عرصہ تک ناراض رہے اور (اس عرصہ میں) مرجائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔"

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- ☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
- ☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
- ☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔
- ☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہولیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم! لیجیے! انسپکٹر جمشید کی شکست حاضر ہے...... نام پڑھ کر آپ پریشان ہو گئے ہوں گے کہ اس ناول میں انسپکٹر جمشید شکست کھا جائیں گے... جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن کوئی شکست ایسی بھی تو ہوتی ہے... جو ہوتی تو ہے شکست ہی... لیکن فتح کے بجائے شکست کھانے ہی کو انسان پسند کرے... اس ناول میں بھی صورتِ حال کچھ ایسی ہی تھی... انسپکٹر جمشید شکست کھانے پر مجبور ہو گئے... اور انہیں یہ شکست قبول کرنا پڑی۔

لہٰذا آپ بھی مجبوراً اس شکست کو قبول کر لیں... اسی میں ہم سب کا بھلا ہے... کیونکہ فتح کی صورت میں زیادہ تکلیف محسوس ہوتی... اور اس فتح کو آپ کسی صورت پسند نہ کرتے... بلکہ یہ کہہ اُٹھتے... یہ انسپکٹر جمشید نے کیا کیا... اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ شکست مان لیتے... ہار جاتے... پر ایسا نہ کرتے...

لیکن اب آپ کو ایسا کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی... جمشید کی شکست پر بھی آپ کو الجھن نہیں ہوگی... بلکہ ایک طرح کا اطمینان محسوس کریں گے... تو پھر آخر میں آپ بھی کہتے نظر آئیں گے... بھئی واہ... شکست ہو تو ایسی......

مڈگام

فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا ہی تھا کہ آئی جی صاحب کی آواز کانوں میں گونج اٹھی:

''جمشید... فوری طور پر ہوائی سفر کے لیے تیار ہو جاؤ... ایئر پورٹ پر ایک خصوصی طیارہ تمہارا انتظار کر رہا ہے... تم پسند کرو تو اپنے ساتھ خان رحمان اور پروفیسر داؤد صاحب کو بھی لے جا سکتے ہو... تیاری کے لیے تمہیں ایک گھنٹہ دیا جاتا ہے۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... انسپکٹر جمشید مسکرا کر رہ گئے۔ گویا فی الحال انہیں یہ بھی نہیں بتایا جا رہا تھا کہ جانا کہاں ہے... انہوں نے فوری طور پر محمود، فاروق اور فرزانہ کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ پھر پروفیسر داؤد اور خان رحمان کو فون کیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ جہاز میں سوار ہو چکے تھے اور جہاز اوپر اٹھ رہا تھا... انہیں اب تک یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ جانا کہاں ہے... اس جہاز میں وہ اکیلے تھے... گویا یہ خاص طور پر ان کے لیے تھا... جلد ہی ایک ایئر ہوسٹس ان کے پاس آئی:

''آپ کو جس وقت بھی... جس چیز کی بھی ضرورت ہو... آپ

بٹن دبا کر مجھے طلب کر سکتے ہیں...''

''شکریہ! اب سے پہلے تو یہ بتا دیں... ہم جا کہاں رہے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے... آپ میرے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتیں۔''

''جی نہیں... اجازت نہیں ہے... جہاں ہمیں جانا ہے... وہاں پہنچ کر ہی آپ کو معلوم ہوگا۔ اس سے پہلے نہیں۔''

''شکریہ! آپ کم از کم اتنا تو بتا سکتی ہیں کہ ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''ہاں! کیوں نہیں... سفر سوا پانچ گھنٹے کا ہے۔'' جواب میں وہ بھی مسکرائی۔

''تب ہم مڈگام جا رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید فوراً بول پڑے۔

ایئر ہوسٹس کا رنگ اڑ گیا...

''مجھ سے بڑی غلطی ہوئی... مجھے اس سوال کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے تھا... اب میری ملازمت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''وہ کیسے... اگر آپ کو سختی سے ہدایات تھیں کہ آپ اس ملک کا نام نہیں بتائیں گی جس میں ہمیں جانا ہے... تو آپ نے نام تو نہیں بتایا۔''

''میں نے وقت بتا دیا... آپ نے اس کے ذریعے منزل معلوم کر لی... مجھے اتنی سی بات کی سزا دی جا سکتی ہے... دراصل۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''دراصل کیا...''

''دراصل یہ جہاز آپ کے ملک کا نہیں... مڈگام کا ہے... اس کا رنگ ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ کس ملک کا ہے... ہمارے ملک میں یہ خاص موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔''

''ہمارا ملک، تو آپ بھی مڈگام کی ہیں... لیکن آپ تو بالکل ہم جیسی اردو بول رہی ہیں... یہ کیسے ممکن ہے۔''

''میری پیدائش پاک لینڈ کی ہے... میرے والد صاحب مڈگام چلے گئے تھے... وہیں جا بسے... وہی شادی کی... لہٰذا گھر میں انگریزی کے ساتھ اردو بھی بولی جاتی ہے۔''

''ہوں شکریہ... آپ فکر نہ کریں... ہم وہاں کسی کو نہیں بتائیں گے کہ ہم نے پہلے ہی جان لیا تھا کہ ہماری منزل مڈگام ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' ایئر ہوسٹس اُداس انداز میں مسکرائی۔

''بھلا کیوں فرق نہیں پڑے گا۔'' فاروق بول پڑا۔

''اس لیے کہ اس طیارے میں ہونے والی بات چیت محفوظ ہو رہی ہے... سن ہی لی جائے گی۔''

''خیر... آپ فکر نہ کریں... آپ کی ملازمت پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی... اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی... تو میں ہرگز منہ سے یہ نہ نکالتا کہ ہم مڈگام جا رہے ہیں۔''

''او کے... اب اس بات کو ختم کریں... میری ملازمت رہتی ہے یا جاتی ہے... اس بات کو بھول کر ہمیں اس سفر کو خوش گوار بنانے کی

کوشش کرنی چاہیے... اب آپ بتائیں... آپ پہلے کیا لینا پسند کریں گے۔''

''سادہ پانی... اس لیے کہ ہمارا چائے کا وقت گزر چکا ہے اور ہم جب گھر سے چلے تھے... تو اس وقت چائے پی چکے تھے... لہٰذا اب چائے نہیں پی سکتے...''

''تو کوئی اور چیز لے لیں۔'' اس نے کہا۔

''بتایا تو ہے... پانی لیں گے۔''

''خیر کچھ دیر بعد سہی۔''

''جی نہیں... کھانے کے وقت تک ہم کچھ نہیں کھائیں گے... ہم اپنے وقت پر کھاتے ہیں... درمیانی وقفے میں صرف پانی پیتے ہیں۔''

''آپ... آپ لوگ عجیب ہیں... بلکہ عجیب ترین ہیں۔''

''ہم صرف عجیب ترین ہی نہیں... غریب بھی ہیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''عملے کے کتنے افراد ہیں جہاز پر۔''

''صرف دو... پائلٹ... اور میں... اس جہاز کے ہمیشہ یہ دو ہی افراد ہوتے ہیں۔''

''کیا آپ دونوں ایک دوسرے کے جانے پہچانے ہیں۔''

''جی ہاں! ہم مستقل طور پر اس جہاز پر مقرر ہیں۔''

''تب تو آپ دونوں پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''کیا خبر آپ دونوں میں سے کسی ایک کو سازش کے تحت تبدیل کر دیا گیا ہو... اصل ایئر ہوسٹس کی جگہ نقلی ایئر ہوسٹس نے لے لی ہو... یا پھر اصل پائلٹ کی جگہ نقلی پائلٹ نے لے لی ہو...''

''جی نہیں... یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں...''

''لیکن بہرحال! میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں... آپ دونوں کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ کا ایسا کوئی خیال تھا تو جہاز کے پرواز کرنے سے پہلے چیک کرنا چاہیے تھا... اب کیا فائدہ... فرض کیا... ہم میں سے کوئی ایک غلط ہے... اور آپ اسے پہچان لیتے ہیں... تو آپ حالات کو اپنے حق میں کیسے کر سکیں گے... کیا آپ کو جہاز اُڑانا آتا ہے... اور کیا آپ کو سمتوں کا علم ہے۔''

''میں اڑتے ہوئے جہاز کو کنٹرول تو کر سکتا ہوں... لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔''

''بس تو پھر... یہی خیال کر لیجیے کہ ہم دونوں بالکل درست افراد ہیں۔''

''اچھی بات ہے... آپ کہتی ہیں تو کر لیتے ہیں یقین۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

اور پھر سوا پانچ گھنٹے کے بعد... وہ مڈگام کے ایئرپورٹ پر اتر رہے تھے... جلد ہی ایک سرکاری گاڑی جہاز تک پہنچ گئی... انہیں بہت ادب و احترام سے گاڑی میں بٹھایا گیا... اس وقت انہوں نے ایئر

ہوسٹس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے... وہ سمجھ گئے کہ وہ خیال کر رہی تھی... یہ
اس جہاز پر اس کی ملازمت کا آخری دن ہے... یہ محسوس کرتے ہی انسپکٹر
جمشید اچانک گاڑی سے اتر آئے... اس کی طرف بڑھے اور بولے:

''آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں... ہر حال میں آپ
ملازمت پر بحال رہیں گی...''

''آپ... آپ نہیں جانتے۔'' اس کی آواز کپکپی تھی۔

''آپ اپنا موبائل نمبر لکھوا دیں... میں رابطہ رکھوں گا۔''

''اس طرح میں اور مشکل میں مبتلا ہو جاؤں گی۔''

''بالکل نہیں ہوں گی... ہاں اگر آپ نے مجھ سے رابطہ نہ رکھا تو
ضرور ایسا ہو سکتا ہے...''

''اچھی بات ہے... میرا نمبر نوٹ کر لیں... اب جو ہوگا...
دیکھا جائے گا۔''

''آپ ضرورت سے زیادہ پریشان ہیں... مجھے ابھی معلوم
نہیں... یہاں ہم سے کیا کام لیا جانے والا ہے... اور اس کی نوعیت کیا
ہے... میرا مطلب ہے... سرکاری طور پر کیا صورتِ حال ہے... ورنہ میں
اسی وقت کوئی قدم اٹھا بیٹھتا... اچھا اللہ مالک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ
مڑے اور کار میں بیٹھ گئے۔

اس کے ساتھ ہی کار چل پڑی... پندرہ منٹ بعد وہ ایک
شاہی قسم کی عمارت میں داخل ہوئے... بہت سے باوردی لوگ ان کے
استقبال کے لیے لپکے... یہ ضرور مڈگام کے فوجی آفیسر تھے... اور اس کا
مطلب تھا... انہیں مڈگام کے صدر نے بلوایا تھا... انہوں نے ان کے

ملک کے صدر صاحب سے درخواست کی ہوگی...

جلد ہی وہ ایک سجے سجائے کمرے میں داخل ہوئے...
وہاں کی ہر چیز قیمتی تھی... اندر میز کے دوسری طرف ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا
تھا... اس کے سر کے بال بالکل نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے... انہیں
اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور با اخلاق انداز میں بولا:

''میں آپ لوگوں کا بہت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا... میں
ہوں... مڈگام کا صدر اتاشا بیری۔''

''اوہ! یہ آپ ہیں... مڈگام کے حوالے سے آپ کے بارے
میں خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں... اور میں ان خبروں کو پڑھتا رہتا ہوں...
اب میں سمجھ گیا... آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ
مسکرائے۔

''آپ اندازے لگانے میں بہت ماہر ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے مڈ
گام کے صدر مسکرا دیے... ان کی مسکراہٹ بھی عجیب تھی... انسپکٹر جمشید کی
نظروں سے یہ مسکراہٹ چھپی نہ رہ سکی۔

''پہلے تو ایئر ہوسٹس کا مسئلہ صاف ہو جائے۔''

''ایئر ہوسٹس کا معاملہ... وہ ہمارا ملکی معاملہ ہے... ہم جانے،
وہ جانے... اسے ہدایات تھیں... آپ کو کچھ نہ بتائے۔''

''اور اس نے بتایا بھی نہیں... یہ تو میں نے خود اندازہ لگایا
تھا۔''

''اس نے یہ تو بتایا تھا نا کہ جہاز کتنی دیر میں منزل پر پہنچے گا...''

''اس کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اتنی سی بات سے میں

''کیا میں اسے فون پر اطمینان دلا دوں کہ آپ نے یہ کہا ہے۔''

''میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔'' صدر صاحب نے برا سا منہ بنایا۔

''جب کہ میرے خیال میں اس کی بہت ضرورت ہے۔''

''انسپکٹر جمشید! آپ بہت عجیب آدمی ہیں۔''

''اسی لیے تو آپ نے مجھے بلایا ہے... اگر میں عجیب نہ ہوتا، دوسروں سے مختلف نہ ہوتا تو آپ کیوں مجھے بلاتے۔''

''اچھی بات ہے... آپ اسے اطمینان دلا دیں۔''

انہوں نے اسی وقت ایئر ہوسٹس کے نمبر اپنے موبائل پر ڈائل کیے اور اس کی آواز سن کر بولے:

''صدر صاحب نے مجھے اطمینان دلایا ہے کہ آپ کو معطل نہیں کیا جا رہا ہے۔''

''ہوں۔'' اس نے بہت لمبی ہوں کہی۔

''کیا آپ کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا......''

''ہاں! صدر صاحب اپنا اُصول نہیں چھوڑ سکتے... لیکن آپ میرے لئے پریشان نہ ہوں... آپ نے اب تک میرے لیے جتنا کچھ کیا ہے... آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ بولی۔

''اچھی بات ہے...'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا... کیونکہ وہ صدر صاحب کے سامنے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ فون بند کر کے وہ صدر صاحب کی طرف مڑے۔

''ایئر ہوسٹس کا کہنا ہے کہ آپ اپنا اصول نہیں چھوڑ سکتے... لہٰذا

منزل کا اندازہ لگالوں گا... اس طرح وہ بالکل بے قصور ہے... لہٰذا آپ اسے ملازمت سے فارغ نہ کریں... یا کوئی اور سزا نہ دیں... یہ میری سفارش ہے۔''

''مجھے افسوس ہے... میں آپ کی یہ سفارش نہیں مان سکتا... ہمارے ملک میں... اندرونی معاملات میں کسی بیرونی آدمی کی سفارش نہیں مانی جا سکتی۔''

''تب پھر آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے... اپنا ایک اندرونی معاملہ حل کرانے کے لیے بھی تو بیرونی آدمی کو نہیں بلایا جا سکتا۔''

''بالکل یہی قانون ہے ہمارا... لیکن یہ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ اس کے لیے خاص طور پر کابینہ سے اجازت لینا پڑی ہے۔''

''تب پھر ایئر ہوسٹس کے لیے بھی اجازت لے لیں... اور ہنگامی اجازت لیں... تاکہ اس کام میں زیادہ دیر نہ لگے۔''

''آپ بھی کیا بات لے کر بیٹھ گئے... چھوڑیں... وہ ایک ایئر ہوسٹس ہی تو ہے۔''

''اس میں تو شک نہیں کہ وہ ایک ایئر ہوسٹس ہی ہے... لیکن یہ مسئلہ میرے لیے بہت حساس نوعیت کا ہے... مجھے ہمیشہ یہ بات ستاتی رہے گی کہ میری وجہ سے ایک ایئر ہوسٹس اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔''

''آپ پر حیرت ہے... اچھا خیر... ہم اسے معطل نہیں کریں گے۔''

''وعدہ رہا۔''

''بالکل۔'' صدر اتاشا نے فوراً کہا۔

اسے معطل کر کے رہیں گے... اور اس کا مطلب ہے آپ ایسا ہمارے واپس جانے کے بعد کریں گے۔''

''ہوں... اس کا اندازہ بالکل درست ہے... مجھے افسوس ہے... میں اسے ملازمت پر بحال نہیں رکھ سکتا...'' صدر اتا شابیری نے پختہ لہجے میں کہا۔

''تب پھر آپ ہمیں واپس بھجوا دیں...'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''کیا مطلب؟'' اتا شابیری زور سے اچھلے... شاید انہیں اس بات کی امید ایک فیصد بھی نہیں تھی۔

''میں بھی اپنے اصول کا پکا ہوں... میرے خیال میں ائیر ہوسٹس کا قصور بالکل نہیں ہے... اگر اس کی غلطی ہوتی تو میں کبھی بھی اس کی طرف داری نہ کرتا... اگر آپ میری خاطر بھی اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں... تو میں بھی اس کی خاطر آپ کا کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''لیکن مسٹر انسپکٹر جمشید... آپ انکار نہیں کر سکتے۔'' اتا شابیری مسکرائے۔

''کیا مطلب... میں بھلا کیوں انکار نہیں کر سکتا۔''

''اس لیے کہ آپ اپنے ملک کے ملازم ہیں... اور آپ کے ملک کے صدر نے آپ کی یہ ڈیوٹی لگائی ہے... آپ انکار کریں گے تو ملازمت سے جائیں گے۔''

''یہ میرا اور میرے ملک کا مسئلہ ہے... آپ میرے ملک کے صدر سے بات کریں اور انہیں بتا دیں کہ انسپکٹر جمشید آپ کے لیے کام

کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔''

''ہاں! اب یہ تو کرنا ہوگا۔'' صدر نے کہا اور فون پر نمبر ڈائل کرنے لگے... جلد ہی ان کا رابطہ ان کے ملک کے صدر سے ہو گیا... انہوں نے ساری صورتِ حال انہیں کہہ سنائی۔ پھر ریسیور ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

''ہاں جمشید کیا بات ہے۔'' صدر نے کہا۔

انہوں نے بھی اپنا مؤقف بیان کر دیا... اور بولے:

''اصول سے اصول ٹکرا گئے ہیں سر۔''

''ہوں... معاملہ ٹیڑھا ہو گیا ہے... خیر تم فون صدر کر دو۔''

اب پھر ان دونوں کی بات ہونے لگی... کافی دیر گفتگو ہوئی... صدر اتا شابیری کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا... آخر انہوں نے فون بند کر دیا اور ان کی طرف مڑے:

''میں ہار گیا... آپ جیت گئے... ائیر ہوسٹس سومی کو بحال کیا جا رہا ہے... میں ابھی ہدایات دے رہا ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' وہ مسکرائے۔

اس کے بعد صدر نے ان کے سامنے ہی فون پر احکامات جاری کیے... ان میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ ائیر ہوسٹس کے خلاف کوئی الزام نہیں ہے... اسے باعزت طور پر ملازمت پر بحال کیا جاتا ہے... یہ احکامات انہیں اسی وقت دے دیے جائیں... وہ اسی وقت ڈیوٹی پر آ سکتی ہیں۔ یہ احکامات کسی صورت تبدیل نہیں کیے جائیں گے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور ان سے بولے:

''اب تو آپ مطمئن ہیں۔''

''جی ہاں! کیوں نہیں... اب آپ اپنا مسئلہ بیان کریں۔''

''ہمارا مسئلہ بہت سنگین ہے... ہمارے ملک کے سب سے بڑے سائنس دان ڈان کوپر کو اغوا کر لیا گیا... ہم ایڑی سے لے کر چوٹی تک کا زور لگا چکے ہیں، لیکن ابھی تک ان کا سراغ نہیں لگا سکے... اس کا مطلب ہے... ہمارے ملک میں کچھ ایسے ملک دشمن لوگ ہیں... جنھوں نے یہ کام کیا ہے... بس آپ کو ان کا سراغ لگانا ہے... اور ان کے قبضے سے ڈان کوپر کو چھڑانا ہے...''

''ہوں! یہ کام میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہوگا... لیکن۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

''لیکن کیا؟''

''ہو سکتا ہے... مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کی ضرورت پیش آئے... لہٰذا میرے لیے ایک چھوٹا سا جہاز مخصوص کر دیا جائے... اس بات کا بھی امکان ہے کہ کسی دوسرے ملک بھی جانا پڑے۔''

''یہ انتظام پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔'' وہ بولے۔

''لیکن میں چاہتا ہوں... وہ وہی جہاز ہو... جس میں ائر ہوسٹس سومی ہے۔''

ایک لمحے کے لیے صدر اتاشا کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں... لیکن پھر فوراً ہی غائب ہو گئیں... اور انہوں نے مسکرا کر کہا:

''ٹھیک ہے... یہ بھی ہو جائے گا۔''

''او کے... ہم پہلی فرصت میں اس جگہ جانا چاہتے ہیں... جس

جگہ سے انہیں اغوا کیا گیا ہے... وہاں کے عملے کو چاہیے... وہ ہر طرح ہماری مدد کریں اور جو ہم کہیں... فوری طور پر اس کے مطابق حرکت میں آ جائیں۔''

''آپ فکر نہ کریں... ایسا ہی ہوگا... آپ کو ایک بہترین گاڑی دی جا رہی ہے... اس میں ان گنت خوبیاں ہیں... ڈرائیور آپ کو بتا ہی دے گا۔''

''ٹھیک ہے... تب پھر ہم چلتے ہیں... تاکہ کیس پر کام شروع کر سکیں۔''

''ارے ارے... آپ ابھی تو آئے ہیں... ایک دن تو آرام کر لیں۔''

''جی نہیں... نہ جانے بے چارے ڈان کوپر، پر کیا گزر رہی ہوگی، ہم ابھی اور اسی وقت سے کام شروع کر رہے ہیں۔''

''آپ لوگ عجیب ہیں... بلکہ بہت عجیب... خیر میں ابھی آپ کو وہاں بھجوائے دیتا ہوں... انہیں ان کی تجربہ گاہ سے غائب کیا گیا ہے۔''

پندرہ منٹ بعد وہ ایک زبردست کار میں تجربہ گاہ کی طرف اڑے جا رہے تھے... کار پر سائرن بھی لگا ہوا تھا... اس طرح انہیں راستہ ملتا چلا گیا... راستے میں انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا:

''آپ کا نام۔''

''حسن کشیری۔''

''اس کار کی خوبیاں بتا دیں ذرا۔''

''یہ بم پروف ہے... الٹ جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا... خود بخود سیدھی ہو جائے گی... اس کے علاوہ اس سے دشمن پر فائرنگ بھی کی جا سکتی ہے... اگر کوئی دشمن تعاقب کرے یا حملہ آور ہونے کی کوشش کرے تو اس پر جوابی حملہ اس سے کیا جا سکتا ہے... کسی کا تعاقب کرتے ہوئے اگر یہ سمندر میں آجائے تو یہ اسی وقت لانچ بن جائے گی۔''

ڈرائیور یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''بہت خوب... کافی خوبیاں ہیں اس میں...''

''پروفیسر ڈان کوپر کی گمشدگی پر ملک میں کیا کیفیت پائی جاتی ہے؟''

''لوگ بہت اداس ہیں... عوام ان سے بے تحاشہ محبت کرتی ہے... انہوں نے ملک کے لیے بہت کام کیا ہے... ان کے ایجاد کردہ ہتھیاروں کی وجہ سے ہم بڑی طاقتوں کو آنکھیں دکھانے کے قابل ہو گئے ہیں۔''

''ہوں... ملک میں کوئی طبقہ ایسا بھی ہے... جو ان کے اغوا ہو جانے پر خوش ہو۔''

''ظاہر ہے... یہاں بھی کچھ ملک دشمن تو موجود ہیں... لیکن میری معلومات ان کے بارے میں صفر ہیں... ظاہر ہے... میں ایک ڈرائیور ہوں... اور ملک میں آنے والے خاص مہمانوں کے ساتھ میری ڈیوٹی لگائی جاتی ہے...'' اس نے سادگی سے کہا۔

''آپ کا شکریہ... ہمارا سفر کب تک مکمل ہو جائے گا۔''

''تجربہ گاہ شہر کے باہر پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے...

شہر میں اس حد تک محفوظ جگہ کوئی اور نہیں تھی... اس لیے وہاں بنائی گئی ہے... ہمیں ابھی آدھ گھنٹا اور لگے گا۔''

''اوہ اچھا...'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی... اس وقت شام کے سات بج رہے تھے... اور سورج غروب ہونے والا تھا... آدھ گھنٹے بعد جب وہ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچے تو اندھیرا چھا چکا تھا... البتہ یہ تجربہ گاہ روشنیوں میں جگمگا رہی تھی...

دروازے پر کچھ لوگ فوراً ان کی طرف بڑھے... گویا وہ ان کے استقبال کے لیے پہلے ہی وہاں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''یہ لوگ تجربہ گاہ میں کام کرتے ہیں... پروفیسر ڈان کوپر کی گم شدگی پر بہت پریشان ہیں... انہیں پروفیسر سے بہت محبت ہے۔'' حسن کشیری نے انہیں بتایا... پھر دروازے پر موجود لوگوں سے بولے:

''اور یہ ہیں ہمارے وہ مہمان جو پروفیسر کی تلاش کے سلسلے میں آئے ہیں...'' یہ کہہ کر حسن ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

''آپ اپنا تعارف کرائیں... پھر یہ اپنا کرا دیں گے۔''

''میں انسپکٹر جمشید ہوں... یہ ہیں پروفیسر داؤد... خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ۔''

''اوہ... اوہ'' ان کے منہ سے نکلا... ان سب کی نظریں پروفیسر داؤد پر جم سی گئیں تھیں... پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہم آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں... آپ بھی ہمارے پروفیسر صاحب کی طرح ہیں۔''

''شکریہ!'' پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

وہ مسکرا دیے... پھر انہوں نے اپنا تعارف کرایا:

''میں حارث گاشا ہوں... پروفیسر صاحب کا نائب... یہ میرے تین ساتھی ہیں... یعنی میرے نائب... ان کے نام... سابا طوتی... راڈرک جان، جیون داس... یہ ہمارے لیبارٹری انچارج ہیں... اشتر بابان...'' حارث کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''آپ لوگوں سے مل کر...''

اچانک ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

☆☆☆

مجسمہ

انہیں اپنی جیب میں کسی چیز کا احساس ہوا تھا... ان کا ہاتھ فوراً جیب میں رینگ گیا... ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک کانسی کا ایک ننھا سا مجسمہ تھا...

''یہ... یہ کیا... میری جیب میں کیسے آیا؟'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''اُف مالک! وہ... وہ لوگ آپ تک بھی پہنچ گئے۔'' حارث گاشا کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''جن لوگوں نے پروفیسر کو اغوا کیا ہے... یہ مجسمہ ان کا خاص نشان ہے... پروفیسر کے کمرے سے بھی یہ ہمیں ملا تھا... کچھ اور وارداتوں میں بھی یہ مل چکا ہے...''

''ہوں... لیکن میری تو آپ لوگوں کے علاوہ ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

''حیرت ہے... پھر یہ مجسمہ آپ کی جیب میں... اوہ میں سمجھا

...''ساباط قونی کہتے کہتے رک گیا۔
''کیا سمجھ گئے آپ؟'' انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔
''آپ جب ایئر پورٹ سے باہر نکل رہے تھے، یہ مجسمہ اس وقت کسی نے آپ کی جیب میں ڈال دیا ہوگا۔''
''جی نہیں! یہ بات نہیں ہے۔'' انہوں نے زوردار انداز میں سر ہلایا۔
''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''
''اس طرح کہ ایئر پورٹ سے ہمیں صدر صاحب کے پاس لے جایا گیا تھا... اور ان سے ملاقات کے دوران میں نے اپنی جیبوں میں کئی بار ہاتھ ڈالا ہوگا... پھر کار میں بیٹھتے ہوئے بھی میں نے اپنی جیب میں کوئی چیز محسوس نہیں کی... یہ تو مجھے یہیں آ کر محسوس ہوئی ہے... اور میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مجسمہ ابھی اور اسی وقت میری جیب میں سرکایا گیا ہے۔''
''کیا!!!'' وہ ایک ساتھ بولے۔
اب تو ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے:
''آپ... آپ کا مطلب ہے... یہ مجسمہ ہم پانچ میں سے کسی ایک نے آپ کی جیب میں سرکایا ہے۔'' حارث گا شا چلا اٹھا۔
''بالکل... آپ پانچوں باری باری ہاتھ ملانے کے لیے میرے بالکل نزدیک آئے ہیں۔''
''اُف مالک! یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... اس کا مطلب

جانتے ہیں کیا ہے؟''
''کیا ہے...''
''یہ کہ ہم سے کوئی ایک ان لوگوں سے ملا ہوا ہے... جنہوں نے پروفیسر ڈان کوپر کو اغوا کیا ہے... اور یہ ایک بہت ہولناک بات ہے۔''
''بالکل یہی بات ہے... لیکن آیئے پہلے اندر چل کر اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں... پھر بات کریں گے... ویسے آپ لوگوں کو ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں... میرا مطلب ہے... آپ میں سے چار کو... کیونکہ جس کا یہ کام ہے... اسے ہم آسانی سے آپ چاروں سے الگ کر لیں گے... یہ کام ہمارے بائیں ہاتھ کا ہے۔''
''کیا واقعی؟'' ساباط قونی کے لہجے میں خوش گوار حیرت تھی۔
''بس! آپ دیکھتے جائیں۔'' فاروق نے منہ کھولا... دراصل اب تک انہیں کوئی بات کرنے کا بالکل موقع نہیں ملا تھا۔
وہ اندر آ گئے... انہیں ایک بہت سلیقے سے سجے ہوئے کمرے میں لایا گیا:
''یہ پروفیسر ڈان کوپر کے آرام کا کمرہ ہے۔''
''بہت خوب صورت ہے۔'' محمود نے چاروں طرف نظر گھمائی۔
''ہاں تو آپ کہہ رہے تھے... آپ کے لیے یہ بہت آسان ہے کہ ہم میں سے اس شخص کو الگ کر لیں جس نے آپ کی جیب میں مجسمہ ڈالا ہے...''
''بالکل یہی بات ہے۔''
''تب پھر پہلے ہم چائے پئیں گے... اس کے بعد آپ کا یہ کمال

دیکھیں گے۔''

''ہم شام کی چائے جہاز میں پی چکے ہیں... لہٰذا اب نہیں پئیں گے... آپ ضرور چائے پی لیں۔ اس دوران ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔''

''اگر چائے پی چکے ہیں تو دوبارہ پینے میں کیا حرج ہے۔'' ساباطا نے حیران ہو کر کہا۔

''بات حرج کی نہیں... اصول کی ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''اچھی بات ہے۔''

پھر ان کے لیے چائے کے برتن سجائے گئے... جب انہوں نے چائے شروع کر دی، اس وقت انسپکٹر جمشید نے جیب سے وہ مجسمہ نکالا... اس کو غور سے دیکھا... وہ کانسی کا تھا:

''دیکھیے... اس پر میری انگلیوں کے نشانات صرف اس کے سر پر ملیں گے... کیونکہ جونہی میں نے محسوس کیا تھا کہ میری جیب میں کوئی چیز ڈالی گئی ہے... تو میں محتاط ہو گیا تھا... سو میں نے اس کے صرف اوپر والے حصے کو پکڑ کر اسے باہر نکالا تھا... اور اب بھی میں نے یہی کیا ہے... اور اس کا مطلب ہے... جس کسی نے یہ میری جیب میں ڈالا ہے... اس مجسمے پر اس کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں...''

''اوہ... اوہ...'' ان کے منہ سے نکلا۔

''محمود! اس مجسمے پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھا لو... اور ہم سب کی انگلیوں کے نشانات بھی لے لو۔''

''ہماری انگلیوں کے نشانات لینے کی کیا ضرورت ہے ابا

جان۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''بھئی کہا جا سکتا ہے... یہ مجسمہ خود میرے ساتھی کا ہو سکتا ہے... یا پھر یہ ہے بھی میرا اپنا۔''

''نہیں خیر... یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ آپ لوگوں کا اس مجسمے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' حارث گاشا بول اٹھا۔

''شکریہ... چلو محمود... صرف ان حضرات کے نشانات لے لو۔''

''جی اچھا۔''

اور پھر مجسمے پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھا لئے گئے... ان کے پرنٹ سب کے سامنے رکھ دیے گئے... پھر ان سب کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے... اور ان نشانات سے ملائے گئے...

اچانک انہیں حیرت کا ایک زبردست جھٹکا لگا:

☆☆☆

ٹکڑا

''ارے! یہ کیا... اس مجسمے پر جو نشانات ہیں... وہ تو ان میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں ملتے...'' محمود کے منہ سے نکلا۔

''چلیے شکر ہے... ہم تو بال بال بچے... ورنہ آپ نے تو ہمیں جکڑ لیا تھا۔''

''لل... لیکن... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت شامل ہو گئی اور ان کے ساتھیوں نے صاف طور پر محسوس کر لیا کہ ان کی حیرت سچی تھی... وہ واقعی حیران تھے... اس پر وہ بھی حیران ہو گئے... بلکہ پریشان بھی ہو گئے...

''کیا کیسے ہو سکتا ہے؟'' رشتر بابایان نے کہا۔

''مجسمہ میرے خیال کے مطابق آپ لوگوں میں سے کسی نے رکھا ہے میری جیب میں... لیکن آپ لوگوں میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات بھی اس پر نہیں پائے گئے... نشانات کسی اور ہی کے ہیں۔''

''ہمارے نزدیک اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں... یہ مجسمہ آپ کی جیب میں اس وقت رکھا گیا جب آپ ایئر پورٹ پر تھے... وہاں

اترنے اور ملنے والوں کا رش ہوتا ہے۔''

''جی نہیں... مجسمہ اگر اس وقت جیب میں داخل کیا گیا جاتا تو مجھے پتا چل جاتا... میری جیب میں کوئی چیز رکھی جائے اور مجھے پتا نہ چلے... یہ نہیں ہو سکتا... جیسا کہ اس وقت ہوا... جونہی مجسمہ رکھا گیا... مجھے معلوم ہو گیا۔''

''یہ آپ کا کہنا ہے... لیکن ہمارا کہنا ہے کہ یہ یہاں آپ کی جیب میں نہیں رکھا گیا ورنہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات اس پر کیوں نہیں ہیں۔''

''ہاں! یہ بات ضرور اہم ہے... اور ہم آپ لوگوں کو بتائیں گے کہ نشانات کیوں نہیں ہیں۔''

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید دروازے کے آس پاس کی جگہ کو غور سے دیکھنے لگے...

''آئیے... پہلے اندر چل کر تشریف رکھیں... کچھ پی لیں... پھر اس سلسلے میں کام شروع کر لیجیے گا...'' حارث گاشا نے مشورہ دیا

انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں... بس نیچے زمین کا جائزہ لیتے رہے... ان کے ساتھی بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے... ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

''آپ لوگ اندر چل کر بیٹھیں... ہمارا تو یہ کام ہے۔''

''نہیں... ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کیا کریں گے۔''

''اچھی بات ہے... کھڑے رہیے پھر۔'' انہوں نے منہ بنایا۔

پھر وہ اپنی کار تک آئے... اس جگہ کی زمین کو بھی غور سے
دیکھا... اور غور سے دیکھتے ہوئے پھر دروازے تک آئے... ایسے میں
فرزانہ کی آواز اُبھری:

''ابا جان! یہ دیکھیے... یہ کیا ہے۔'' انہوں نے دیکھا... چند
قدم کے فاصلے پر فرزانہ زمین پر پڑی کسی ننھی سی چیز کی طرف اشارہ کر
رہی تھی۔

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور اس چیز پر جھک
گئے... وہ ربڑ یا پلاسٹک کا بالکل ذرا سا مڑا تڑا ٹکڑا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے اٹھا لیا... آنکھوں کے نزدیک
کر کے اسے غور سے دیکھا:

''اوہو... یہ تو کوئی جھلی نما چیز ہے...'' ان کے منہ سے نکلا۔

اب وہ اس کو کھول رہے تھے... جھلی نما چیز کو مروڑا گیا
تھا... اس کے بل کھل گئے تو دو انچ کی جھلی ان کے ہاتھ میں تھی اور اس
جھلی پر انسانی انگلیوں جیسی لکیریں سی تھیں گویا انسانی انگلیوں کے نشانات
تھے اس پر...

''اُف مالک... میں سمجھ گیا... لل... لیکن۔'' وہ ہکلائے۔

''لیکن کیا ابا جان... آپ تو کبھی اس قدر حیرت زدہ نظر نہیں
آئے۔'' محمود پریشان ہو گیا۔

''ہاں! شاید یہ میری زندگی کا انوکھا ترین کیس ہے... اب
میں ایک بار پھر یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ان حضرات ہی میں سے
کسی نے میری جیب میں مجسمہ رکھا ہے۔''

''لیجیے... آپ نے پھر ہم پر شک کا اظہار کر دیا... جب کہ ہم
میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات مجسمے پر نہیں ملے۔'' راڈرک جان نے
منہ بناتے ہوئے کہا۔

''نشانات نہ ملنے کی وجہ تو معلوم ہو گئی ہے نا۔'' انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

''اور وہ کیا؟''

''یہ دیکھیے... یہ ایک بہت نفیس قسم کی پلاسٹک کی جھلی ہے...
جلد کے رنگ کی ہے... اور اس پر ایسی ہی لکیریں ہیں جیسی انسانی انگلیوں
پر ہوتی ہیں... اب اگر کوئی یہ جھلی اپنی انگلی پر چڑھا لے اور اس کے
ذریعے کوئی چیز پکڑے تو اس پر اس کی اپنی انگلیوں کے نشانات کے بجائے
اس جھلی کے نشانات آئیں گے... آپ میں سے کسی ایک کی دو انگلیوں
پر یہ جھلی چڑھی ہوئی تھی... یہی وجہ ہے کہ مجسمے پر ان صاحب کی انگلیوں
کے نشانات نظر نہیں آئے۔''

''اوہ!'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''لیکن جناب! یہ جھلی تو صرف ایک انگلی کی ہے۔''

''دوسری انگلی والا ٹکڑا بھی یہیں کہیں ہو گا...''

''وہ بھی مل گیا ابا جان۔'' محمود کی آواز سنائی دی... وہ گاڑی
کی ٹائر سے چپکا ہوا ٹکڑا اٹھا رہا تھا۔

''لیجیے... ثبوت مکمل ہو گیا۔'' انسپکٹر جمشید ہنسے۔

''ثبوت تو خیر مکمل ہو گیا... لیکن ہم میں سے ایسا کس نے کیا
ہے۔'' حارث گاشا نے منہ بنایا۔

''فی الحال یہ ثبوت مکمل ہوا ہے کہ مجسمہ آپ لوگوں ہی میں سے کسی ایک نے میری جیب میں رکھا ہے... کس نے رکھا ہے... یہ ہم اب معلوم کریں گے۔''

''سوال یہ ہے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اس سے اس نے ہمیں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہ کام باقاعدہ تنظیم کا ہے... اور یہ کہ آپ کا مقابلہ اس تنظیم سے ہے...''

''خیر... جو بھی ہے... لیکن ہمیں تو آپ نے الجھن میں ڈال دیا۔'' جیون داس نے منہ بنایا۔

''میں نے نہیں... اس تنظیم کے رکن نے... جس نے مجسمہ میری جیب میں سرکایا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

اب انہیں اندر لایا گیا...

''پہلے کچھ میزبانی ہو جائے۔'' ساباطا توئی نے مسکرا کر کہا۔

''ضرورت تو نہیں ہے... لیکن آپ سب لوگوں کی دل شکنی کے خیال سے کچھ کھا لیتے ہیں۔''

کھانے سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''پہلے تو ہمیں پوری تجربہ گاہ دکھا دی جائے... خاص طور پر ہم وہ کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں... جس میں سے پروفیسر ڈان کوپر کو اغوا کیا گیا ہے۔''

''آیئے۔''

انہیں ساری تجربہ گاہ دکھائی گئی... تجربہ گاہ بہت شان دار تھی... آخر میں انہیں ایک کمرے میں لایا گیا:

''یہ ہے پروفیسر ڈان کوپر کے آرام کا کمرہ... وہ اس رات بھی یہیں سوئے ہوئے تھے... صبح وہ یہاں نہیں پائے گئے... تلاش کرنے پر تجربہ گاہ میں کہیں بھی نہیں ملے... تب حکومت کو خبر دی گئی... حکومت فوراً حرکت میں آ گئی... پولیس نے سارے شہر کو سیل کر دیا... حکومت کی پوری مشینری پروفیسر کی تلاش میں جت گئی... انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا... لیکن پروفیسر ڈان کوپر کو ملنا تھا نہ ملے۔ اس کے بعد مسلسل کوشش جاری رہی... لیکن کوئی کامیابی سرے سے نہ ہوئی۔''

''کیا حکومت نے آپ لوگوں کو چیک نہیں کیا۔''

''بالکل کیا... لیکن اس سے بھلا کیا ہوتا... ہم نے تو انہیں اغوا نہیں کیا تھا۔'' جیوان داس نے کہا۔

''لیکن! اب جب کہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ اغوا کے اس جرم میں آپ میں سے کسی ایک کا ہاتھ تو ضرور ہے تو اب آپ کیا کہتے ہیں۔''

''حکومت کے کارندے تو خیر اتنی بات بھی معلوم نہیں کر سکے... آپ نے تو یہ بات آتے ہی معلوم کر لی... اب آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں... یہ کیس آپ کے سپرد کیا گیا ہے... اگر ہم میں سے کوئی ایک آپ کو مجرم نظر آتا ہے... تو اس کا جرم ثابت کر دیں... پروفیسر صاحب کو برآمد کر لیں... اور بس... پھر مجرم جانے حکومت جانے، آپ کا کام تو ختم ہو جائے گا۔'' حارث گاشا نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... ہمارا کام تو اتنا ہی ہے کہ پروفیسر صاحب کو تلاش کر لیں... اور اغوا کے ذمے دار کو حکومت کے حوالے

کر دیں... اب آپ سے ہم لوگ باری باری سوالات کرنا پسند کریں
گے... اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔''

''بھلا ہم کیوں اعتراض کریں گے... ہم تو خود یہ چاہتے
ہیں... کہ پروفیسر صاحب جلد از جلد مل جائیں... تا کہ یہ الجھن ختم
ہو۔'' اشتر بایان نے قدرے بے چینی کے عالم میں کہا۔

''ویسے ان دنوں پروفیسر ڈان کو پر صاحب کس قسم کے تجربات
کر رہے تھے۔''

''وہ ان دنوں ایٹمی اسلحے پر کام کر رہے تھے... اور بہت
تیزی سے کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے... اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ
انشارجہ کو اس سلسلے میں بہت تشویش تھی... انشارجہ کا کہنا ہے کہ پروفیسر
ڈان کو پر دراصل ایٹم بم بنا چکے ہیں... لیکن اس بات کو انہوں نے
پوشیدہ رکھا ہوا ہے... اور یہی وجہ ہے کہ انشارجہ ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا
... غالباً ان کے اغوا میں اسی کا ہاتھ ہے۔'' اشتر بایان نے کہا۔

''اس کا مطلب جانتے ہیں کیا ہے... آپ میں سے کوئی ایک
یا دو انشارجہ کے آدمی ہیں... ان کے ذریعے اس نے یہ کام کیا ہے۔''

''آپ ہم میں سے اس ایک یا دو کو ایسا ثابت کر دیں... اور
حکومت کے حوالے کر دیں۔'' اشتر بایان مسکرایا۔

''آپ لوگ ہمیں ایک کمرے میں بٹھا دیں اور باری باری
اندر آئیں... آپ کا بیان باقاعدہ ریکارڈ کیا جائے گا... لہٰذا اس بات
کا خیال رکھیں کہ بعد میں آپ کو اپنی کسی بات پر پریشانی نہ ہو... اس لیے
سوچ سمجھ کر ہر سوال کا جواب دینا آپ کی ذمے داری ہے۔''

''ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔''

اور پھر انہیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا... کمرے میں
ایک بڑی میز موجود تھی... اس کے ایک طرف وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے...
پھر سب سے پہلے حارث گاشا اندر داخل ہوا:

''تشریف رکھیے!'' انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا... انہوں نے
صاف طور پر محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو چکے
تھے... جب کہ باہر باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ایسی کوئی بات محسوس
نہیں کی تھی۔

''آپ کب سے یہاں کام کر رہے ہیں۔''

''اس وقت سے جب سے پروفیسر صاحب نے اپنا کام شروع
کیا تھا... مطلب یہ کہ میں شروع سے ہی ان کے ساتھ ہوں اور اس لحاظ
سے ان کا سب سے پرانا ساتھی ہوں...''

''خوب! جس روز پروفیسر صاحب کو اغوا کیا گیا... یا جس
روز وہ غائب ہوئے... آپ کہاں تھے۔''

''اس جملے سے آپ کی کیا مراد ہے کہ یا جس روز وہ غائب
ہوئے...؟''

''یہ جملہ میرے منہ سے بس ایسے ہی نکل گیا... آپ اس جملے کو
بھول جائیں... اور صرف یہ بتائیں... جس روز انہیں اغوا کیا گیا...
آپ کہاں تھے...''

''میں یہیں تھا... وہ بھی یہیں تھے... اس رات انہوں نے

رات گئے تک کام کیا تھا... میں اور اشتر بابایان بھی ان کے ساتھ
تھے... پھر انہوں نے ہم دونوں کو چھٹی دے دی اور خود کام میں جتے
رہے... ہم اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے... دوسرے دن جب تجربہ گاہ
میں آئے تو وہ اندر نہیں تھے... نہ اس کمرے میں تھے جس میں رات ہم
چھوڑ کر گئے تھے... اور نہ کسی اور کمرے میں..."

"اور اس کمرے کی حالت کیسی تھی... افراتفری یا بے ترتیبی
کے آثار تو نہیں ملے تھے۔"

"نہیں... کمرہ بالکل درست حالت میں تھا... اغوا کے کوئی
آثار قطعاً نہیں تھے... جس حالت میں ہم دونوں ان سے رخصت ہوئے
تھے... کمرہ اسی حالت میں تھا۔"

"ہوں... کیا رات کے وقت یہاں سے سب لوگ چلے جاتے
ہیں۔"

"پروفیسر صاحب اکثر رک جاتے ہیں... باقی لوگ اپنے
اپنے گھر چلے جاتے ہیں... دراصل ہمارے لیے یہاں نزدیک ہی رہائشی
علاقہ بنایا گیا ہے... ہم تجربہ گاہ سے نکل کر جب چاہیں وہاں چلے جاتے
ہیں... پیدل پانچ منٹ کا راستہ ہے..."

"اور پروفیسر صاحب بھی وہیں رہتے ہیں۔"

"جی بالکل۔"

"ان کے گھر کے افراد۔"

"وہ بھی وہیں رہتے ہیں..."

"تب پھر اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ انہیں گھر سے اغوا کیا

گیا ہو۔"

"جی نہیں؟" حارث نے انکار میں سر ہلایا۔

"بھلا کیسے نہیں؟"

"گھر والوں کا بیان ہے کہ اس رات وہ گھر آئے ہی نہیں... ا
ور چونکہ وہ اکثر نہیں آتے تھے... یا کام کرتے کرتے صبح کر دیتے تھے...
پھر گھر جاتے تھے... اس لیے یہی کہا جائے گا کہ انہیں تجربہ گاہ ہی سے اغوا
کیا گیا ہے۔"

"اور اغوا کے کوئی آثار نہیں ملے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"آپ کا ذاتی طور پر کیا خیال ہے۔"

"یہی کہ ان کے اغوا میں انشارجہ کا ہاتھ ہے۔"

"رات کے وقت اگر پروفیسر صاحب بھی چلے جائیں تو صدر
دروازے کا کیا کیا جاتا ہے؟"

"باہر سے بند کر دیا جاتا ہے... لیکن تجربہ گاہ کے چاروں
طرف فوج کا زبردست پہرہ رہتا ہے..."

"ہم نے تو نہیں دیکھے پہرے دار۔"

"ان کے پہرہ دینے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دروازے پر
کھڑے ہوں... یا چاروں طرف اسلحہ لیے موجود نظر آئیں... کیمرے
لگے ہوئے ہیں... ان کے ذریعے ہر طرف کی نگرانی ہوتی ہے۔"

"تب تو کام آسان ہے... ہم ان کیمروں کی فلم دیکھ کر جان
سکتے ہیں، یہ کام کس کا ہے۔"

''یہ کام تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں... کیمرے کچھ نہیں بتا رہے... اس کا مطلب ہے... اغوا کے وقت یہ سارا نظام کاٹ دیا گیا تھا... لہٰذا اغوا کرنے والوں کی فلم نہیں بن سکی۔''

''تب تو پھر اس کا مطلب ہے، اغوا کرنے والے بہت ماہر لوگ ہیں... اس قسم کے کام کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے...''

''خیر کوئی بات نہیں، ہم انشاء اللہ ان کا سراغ لگالیں گے... ہماری اس بات چیت کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ اغوا کے وقت آپ اپنے گھر تھے... اور یہ کہ اغوا کرنے والوں نے سارا حفاظتی نظام بے کار کر دیا تھا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔''

''اچھی بات ہے... اب آپ جا سکتے ہیں... مسٹر ساباط قونی کو بھیج دیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''تم لوگوں کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''آدمی ٹھیک ہی لگتے ہیں... ویسے میرا خیال ہے کہ یہ صاحب پروفیسر ڈان کوپر کے سچے ہمدرد ہیں۔'' محمود نے خیال ظاہر کیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی:

''آجایئے مسٹر ساباط قونی۔''

دروازہ کھلا اور آنے والے نے اندر داخل ہونے سے پہلے کہا:

''معاف کیجئے گا... میں ساباط قونی نہیں ہوں... وہ ذرا دیر کے لیے کام سے گئے ہیں... ان کی جگہ فی الحال میں آیا ہوں...''

انہوں نے دیکھا، وہ راڈرک جان تھا۔

''خیریت! انہیں کہاں جانا پڑ گیا۔''

''ان کے پیٹ میں اچانک درد اٹھا تھا... وہ ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے ہیں... ابھی آجائیں گے۔''

''کوئی بات نہیں... آیئے آپ تشریف رکھیے...''

راڈرک جان اندر آکر ان کے سامنے بیٹھ گیا... وہ کچھ پریشان لگ رہا تھا:

''کیا ہم اپنے سوال شروع کریں۔''

''ضرور کیوں نہیں۔'' وہ مسکرادیا... لیکن انہوں نے صاف محسوس کرلیا کہ مسکراہٹ مصنوعی تھی۔

''آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔''

''میں... ساباط کی وجہ سے پریشان ہوں... ہم دونوں بہت گہرے دوست ہیں۔''

''پیٹ درد کوئی ایسی پریشان کن بیماری نہیں۔''

''ہاں! یہ تو ہے... خیر... آپ پوچھیے... کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''جس روز پروفیسر صاحب کو اغوا کیا گیا... آپ کہاں تھے؟''

''اس روز پروفیسر صاحب نے رات گئے تک کام کیا تھا...

حارث گاشا اور اشتر بابان ان کے ساتھ تھے... میرے ذمے انہوں نے
چند کام لگائے تھے... وہ میں اپنے کمرے میں کر رہا تھا... جب میرا کام
ختم ہو گیا تو میں نے فون پر انہیں یہ بات بتا دی... اس پر انہوں نے مجھے
گھر جا کر آرام کرنے کی اجازت دے دی... بس میں چلا گیا... مجھے
نہیں معلوم... اس کے بعد وہ کیسے غائب ہو گئے۔''

''آپ نے انہیں فون کتنے بجے کیا تھا۔''

''رات کو ایک بج کر بیس منٹ پر۔''

''گویا رات کو ایک بج کر بیس منٹ پر وہ اپنے کمرے میں
تھے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''آپ کو پروفیسر صاحب کے اغوا ہونے کا پتا کیسے چلا؟''

''دوسری صبح جب میں تجربہ گاہ پہنچا... اس وقت حارث گاشا آ
چکے تھے اور پروفیسر صاحب کو ادھر ادھر تلاش کیا جا رہا تھا۔''

''ان کے کمرے میں کوئی ابتری وغیرہ نظر آئی تھی جس سے
اندازہ لگایا جا سکتا کہ انہیں اغوا کر لیا گیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی نہیں... وہاں کسی قسم کی گڑبڑ کے آثار نہیں تھے۔''

''ٹھیک ہے... آپ جا سکتے ہیں... اگر آپ کے دوست
ساباط آ گئے ہوں تو انہیں بھیج دیں... ورنہ پھر جیون داس آ جائیں۔''

''جی اچھا!''

اور پھر اس کے جانے کے ایک منٹ بعد ہی جیون داس
اس کمرے میں داخل ہوا... وہ کافی بے فکر سا لگ رہا تھا:

''ساباط قونی ابھی نہیں آئے۔''

''جی نہیں...''

''ان کے ڈاکٹر کا نام کیا ہے؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ڈاکٹر ریحان گاب۔''

''شکریہ! کیا آپ ان کا فون نمبر بھی دے سکتے ہیں۔''

''جی نہیں... ان کے نمبر تو ساباط ہی بتا سکیں گے۔''

''خیر کوئی بات نہیں... آپ بتائیں... جس رات پروفیسر
صاحب کو اغوا کیا گیا... آپ کہاں تھے۔''

''میں... میں اس روز چھٹی پر تھا۔''

''مطلب یہ کہ آپ اپنے گھر میں تھے۔''

''نہیں... اپنے بچوں کے ساتھ سیر کے لیے نکلا ہوا تھا۔''

''آپ کو پروفیسر صاحب کے اغوا کے بارے میں کیسے پتا
چلا۔''

''اگلے دن صبح کو... جب میں تجربہ گاہ میں داخل ہوا تو انہیں
تلاش کیا جا رہا تھا۔''

''ہوں... اچھا... آپ کے خیال میں یہ کام بھلا کس کا
ہے۔''

''ہمارے ملک کے کسی دشمن کا... ویسے ہم سبھی کو یقین ہے کہ
اس واردات میں انشارجہ کا ہاتھ ہے۔''

''ہوں... لیکن انشارجہ بھی بہرحال اپنے کارکنوں سے ہی کام
لیتا ہے نا... ہمیں سراغ تو لگانا پڑے گا نا۔''

''جی ہاں بالکل۔''

''کیا ساباط تونی ابھی نہیں لوٹے۔''

''جی نہیں۔''

''خیر... آپ مسٹر اشتر کو بھیج دیں۔''

''جی اچھا۔''

اب اشتر بایان اندر داخل ہوا... اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔

''آپ کیوں پریشان ہیں۔''

''ساباط کی وجہ سے، وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔''

''لیکن اس میں پریشانی کی کیا بات ہے... پیٹ میں درد ہی ہوا تھا نا انہیں... ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں، دوا لے کر آ جائیں گے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن پھر بھی میں پریشانی محسوس کر رہا ہوں... نہ جانے کیوں...'' اس نے اور زیادہ پریشان ہو کر کہا۔

''اچھا یہ بتائیے جس روز پروفیسر صاحب کو اغوا کیا گیا... اس روز آپ کہاں تھے؟''

''میں نے اس رات بہت دیر تک اپنے کمرے میں کام کیا تھا... پھر جب کام مکمل ہو گیا تو میں فون پر پروفیسر صاحب کو بتا کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔''

''اس وقت کیا وقت ہوا ہوگا۔''

''رات کے دو بج رہے تھے۔''

''گویا دو بجے تک وہ موجود تھے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''پھر آپ کو صبح کس وقت معلوم ہوا کہ وہ اغوا ہو چکے ہیں۔''

''جب میں تجربہ گاہ میں آیا تب معلوم ہوا... ہم لوگ عام طور پر نو بجے کے قریب آ جاتے ہیں... ایک دوسرے سے چند منٹ پہلے یا بعد میں۔''

''ان کے کمرے میں کوئی گڑبڑ نظر آئی تھی۔''

''جی نہیں... ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔''

''آپ یہاں کب سے کام کر رہے ہیں۔''

''کم از کم پندرہ سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔''

''باقی لوگوں کو بھی کم و بیش اتنا ہی عرصہ ہو گیا ہوگا۔''

''جی ہاں بالکل۔''

''آپ سب لوگوں کا پروفیسر ڈان کوپر کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''بہت نفیس آدمی ہیں... اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو بالکل تنگ نہیں کرتے... بلکہ الٹا ان کے آرام کا خیال رکھتے ہیں... خود بعد میں گھر جاتے ہیں... انہیں پہلے آرام کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔''

''تب پھر ان کے اغوا میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''انشارجہ کا۔''

''یہ خیال آپ بھی نے ظاہر کیا ہے... اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔''

''انشارجہ ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا... دبے لفظوں میں کہتا رہتا

تھا، پروفیسر ڈان کو پر اپنی سرگرمیاں بند کر دیں... لیکن ان پر تو بس ایک ہی دھن سوار تھی، یہ کہ کسی طرح ہمارا ملک سائنسی طاقت بن جائے۔''

''تب پھر... ایٹمی طاقت تو آپ بن ہی چکے ہیں۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''اچھی بات ہے... آپ تشریف لے جائیں اور ساباطوقونی کو بھیج دیں۔''

''اور اگر وہ ابھی تک نہ آئے ہوں۔''

''تب یہ بات ہمیں بتا دیں... اور ان کے ڈاکٹر سے رابطہ کر کے معلوم کریں... ان کی تکلیف بڑھ تو نہیں گئی۔''

''جی اچھا!'' اشتر بایان نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''کیا خیال ہے آپ لوگوں کا۔''

''ساباطوقونی کا پیٹ درد پریشان کیے دے رہا ہے... پھر وہ ابھی تک آئے بھی نہیں... مجھے تو دال میں کالا لگتا ہے۔'' فرزانہ کی آواز ابھری۔

''ہاں! یہ پیٹ درد مجھے بھی کھٹک رہا ہے۔'' محمود نے اس کی تائید کی۔

''بلکہ میرے تو حلق میں اٹک رہا ہے۔'' فاروق نے بڑا سا منہ بنایا۔

''حد ہو گئی... درد نہ ہوا مچھلی کا کانٹا ہو گیا... جو ان کے حلق

میں اٹک رہا ہے۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''دیکھ لیا آپ نے محمود کے کھٹکنے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی... میرے اٹکنے پر اعتراض کر دیا۔'' فاروق جلے کٹے انداز میں بولا۔

ایسے میں دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا:

☆☆☆

ہوائی سفر

انہوں نے دیکھا ... اشتر بابان اور دوسرے ساتھی دروازے پر موجود تھے ... ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ... خیر تو ہے۔''

''آپ کے کہنے پر میں نے ساباط سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ... لیکن ان کا موبائل بند تھا ... پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کے نمبر ملائے ... اور ان سے پوچھا ... انہوں نے بتایا کہ ساباط تو ان کے پاس آئے ہی نہیں ...''

''کیا!!!'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''کہیں وہ کسی اور ڈاکٹر کے پاس نہ چلے گئے ہوں۔''

''جی نہیں ... ڈاکٹر ریحان گاب ان کے گہرے دوست ہیں، ان کے علاوہ تو وہ کسی کے پاس جا ہی نہیں سکتے ...''

''حیرت ہے ... پھر وہ کہاں چلے گئے۔''

''ان کے گھر اور دوستوں کو فون کریں ... اور ذرا جلدی کریں

... ان کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے ... ویسے وہ یہاں سے گئے کس طرح ... ان کے پاس اپنی گاڑی ہے ... یا وہ تجربہ گاہ کی گاڑی میں گئے ہیں۔''

''ان کے پاس گاڑی ہے۔''

''تب پھر پولیس کو بھی خبر کر دیں ... انہیں گاڑی کے نمبر لکھوا دیں ... تاکہ فوری طور پر ان کی تلاش شروع ہو سکے۔''

''ہم ابھی پولیس کے اعلیٰ حکام کو ساری صورتِ حال بتاتے ہیں ... پولیس فوری طور پر حرکت میں آ جائے گی۔''

''ہوں ... یہ ٹھیک رہے گا۔''

''اور ہم ان کی رہائش گاہ کو چیک کرنا پسند کریں گے ... ہمیں فوری طور پر وہاں لے چلیں۔''

''آپ میرے ساتھ چلیں ... یہ حضرات پولیس وغیرہ سے رابطہ کریں گے ...'' حارث گاشا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیے ... پانچ منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے اور صاف ستھرے گھر کے سامنے پہنچ گئے ... حارث گاشا نے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی ایک چھوٹے سے بچے نے دروازہ کھولا ... اور ان پر نظر پڑتے ہی بول اٹھا:

''انکل حارث آئے ہیں ... انکل حارث آئے ہیں۔''

''ہاں بیٹا ... آپ ذرا ابو کو باہر بھیجیں۔''

''جی ابو تو ... ابو تو گھر نہیں ہیں۔''

''اوہو اچھا ... ہمارا خیال تھا ... وہ ادھر آئے ہیں ... خیر ...

آپ اپنی امی سے کہیں... ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیں... ہم ان کا انتظار کر لیتے ہیں۔''

''لیکن انکل... ابھی لیبارٹری سے ان کے آنے کا وقت کب ہوا ہے... وہ وہیں ہوں گے۔''

''یہی تو بات ہے... وہ وہاں نہیں ہیں... کچھ دیر پہلے انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے پیٹ میں اچانک درد ہو گیا ہے... وہ ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں... یہ کہ کر وہ چلے گئے... لیکن بہت دیر گزرنے پر بھی واپس نہیں آئے... ہم نے ڈاکٹر ریحان گاب کو فون کیا اور ان کے بارے میں پوچھا... انہوں نے بتایا کہ وہ تو ان کی طرف آئے ہی نہیں... یہ سن کر ہم بہت حیران ہوئے اور انہیں دیکھنے یہاں آ گئے ... لیکن وہ یہاں بھی نہیں ہیں... مہربانی فرما کر آپ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھائیں اور اپنی امی سے کہیں... ادھر ادھر فون کر کے ان کے بارے میں معلوم کریں۔

''جی... جی اچھا...'' بچہ گھبرا گیا اور اندر کی طرف دوڑ گیا۔

جلدی ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ کھل گیا... وہ اندر آ کر بیٹھ گئے... اندر انہوں نے جلدی جلدی فون کرنے کی آوازیں سنیں... دس منٹ بعد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی:

''حارث بھائی... وہ تو کہیں بھی نہیں مل رہے... اُف مالک۔''

''آپ پریشان نہ ہوں... ہم انہیں بہت جلد تلاش کر لیں گے... یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ہمارے ساتھ پاک لینڈ کے

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی موجود ہیں۔''

''اوہو اچھا... ان کا تو بہت نام سنا ہے۔''

''بس! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ یہ اس وقت یہاں ہیں۔''

''اور ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''جی... اعتراض... اعتراض تو کوئی نہیں...''

اور پھر انہوں نے تلاش شروع کی...

''سب سے پہلے ہم ساباط قونی صاحب کے کمرے کو دیکھنا چاہتے ہیں... میرا مطلب ہے... جو کمرہ ان کا ذاتی تھا... اپنے تجربات وغیرہ سے متعلق چیزیں وہ جس کمرے میں رکھتے تھے۔''

''آئیے میرے ساتھ...'' حارث مسکرایا۔

پھر جونہی وہ اس کمرے تک پہنچے... انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا:

''مسٹر حارث! آپ بُرا نہ مانیے گا... ہم تفتیش کے دوران کسی کی موجودگی پسند نہیں کرتے... اس لیے آپ تجربہ گاہ یا اپنے گھر چلے جائیں... ضرورت پڑی تو ہم پھر آپ سے رابطہ کر لیں گے۔''

''جی اچھا! اس میں بُرا ماننے کی کون سی بات ہے... لیجیے! میں چلا جاتا ہوں۔'' حارث نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ بولا۔

''شکریہ!'' اس نے مسکرا کر کہا اور گھر سے باہر نکل گیا... وہ اسے جاتے ہوئے ایک ڈیڑھ منٹ تک دیکھتے رہے... پھر وہ نظروں سے

اوجھل ہو گیا۔

انہوں نے جلدی جلدی پہلے سارے مکان کا جائزہ لیا... پھر ایک کمرے کو غور سے دیکھا... چھت کو بھی دیکھا... آخر وہ ساباطوتی کے کمرے میں آ گئے...

''تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔''

''جی... آپ بھلا کس بارے میں پوچھ رہے ہیں۔'' محمود نے حیرت ظاہر کی۔

''ساباطوتی صاحب کہاں غائب ہو گئے۔''

''پورا گھر آپ کے سامنے ہے... اور ہم اسے دیکھ چکے ہیں... لہٰذا آپ سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''ہوں! ٹھیک ہے... میں ذرا ایک دو فون کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی ضرور۔''

اب انسپکٹر جمشید نے دو تین جگہ فون کیے... آخر میں انہوں نے صدر کے نمبر ملائے... یہ ان کا براہ راست فون تھا... جلد ہی ان کی آواز سنائی دی:

''اتا شابیری پلیز۔''

''انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں سر۔''

''ضرور کریں... فرمائیے... کیا خدمت کر سکتا ہوں اور آپ کہاں تک پہنچے۔''

''ہم بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں... امید ہے... بہت جلد پروفیسر ڈان کو پر کو تلاش کر دکھائیں گے۔''

''خوب! خوب مجھے بھی یہی امید ہے... یہ کام آپ ضرور کر گزریں گے۔''

''تب پھر میرے لیے فوراً جہاز ایئر پورٹ پر تیار کھڑا کرا دیں... جونہی میں پہنچوں۔''

''کیا مطلب... آپ کو کہاں جانا ہے۔''

''یہ تو میں نہیں بتاؤں گا... جہاز میں بیٹھنے کے بعد صرف پائلٹ کو بتاؤں گا۔''

''اتنا تو آپ کو بتانا ہوگا کہ ملک ہی میں کہیں جانا چاہتے ہیں یا ملک سے باہر۔''

''چلیے! اتنا بتا دیتا ہوں... ملک سے باہر جانا ہے...''

''حیرت ہے... کیا اس معاملے کا سلسلہ بیرون ملک تک چلا گیا ہے۔''

''نظر یہی آتا ہے کہ پروفیسر ڈان کو پر کو کسی طرح ملک سے باہر لے جایا جا چکا ہے... ہم دو تین چکر جہاز پر لگائیں گے... اور اس کے بعد پروفیسر ڈان کو پر کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔''

''بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... آپ کو کھلی اجازت ہے... جہاز کا مکمل اختیار آپ کو دیا جاتا ہے... میں ابھی احکامات جاری کرتا ہوں۔''

''لیکن...'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

''لیکن کیا؟'' صدر اتا شابیری چونک کر بولے۔

''لیکن... میں اسی جہاز میں سفر کروں گا... جس میں یہاں آیا

تھا... پائلٹ بھی وہی ہوگا... اور ائیر ہوسٹس بھی وہی ہوگی۔''

''کیا!!!'' مارے حیرت کے صدر صاحب کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں! میری شرط یہی ہے۔''

''انسپکٹر جمشید... آخر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔''

''پروفیسر ڈان کوپر کے کیس میں راز داری پہلی شرط ہے... اس کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہوسکتے... آپ کے آس پاس کچھ لوگ ہیں... جو پل پل کی خبر رکھتے ہیں... اور پروفیسر ڈان کوپر کی گم شدگی میں ان کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے... لہٰذا اگر انہیں بھنک پڑ گئی کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہونے والا ہوں... تو وہ نہ جانے کیا کر بیٹھیں... یہی وجہ ہے کہ میں اپنا پروگرام اس حد تک خفیہ رکھوں گا کہ کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا۔''

''اوہ اچھا... میں سمجھ گیا... لیکن بھلا ہوائی سفر کو آپ کیسے پوشیدہ رکھ سکیں گے... ظاہر ہے... جب جہاز یہاں سے اڑے گا تو اس وقت تو آپ کو بتانا ہوگا کہ کہاں جانا ہے... آخر اس ملک کے ائیر پورٹ پر ان کی اجازت کے بغیر تو نہیں اتر سکیں گے آپ۔'' صدر اتاشا بیری نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

''یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں... پائلٹ سے میں پہلے ہی پوچھ لوں گا... کہ وہ اس ملک کے راستے سے واقف ہے یا نہیں... اگر وہ واقف نہیں ہوگا تب پھر پائلٹ کا انتظام مجھے خود کرنا پڑے گا۔''

''میں... میں سمجھا نہیں... پائلٹ کا انتظام بھلا آپ کیسے کر لیں گے۔''

''یہ میرا کام ہے... اور اس کام کو کیسے کرنا ہے... یہ بھی میرا کام ہے... اور اگر آپ اپنا جہاز نہیں دینا چاہتے تو میں جہاز کا انتظام بھی خود کر لوں گا۔''

''آپ... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب... آپ ہمارے لیے ہمارے ملک کے لیے اتنا کچھ کریں گے اور ہم آپ کو جہاز نہیں دے سکتے... نہیں نہیں... آپ جیسے شخص پر تو دس جہاز قربان کیے جا سکتے ہیں۔''

''شکریہ... بس تو پھر آپ ایر پورٹ حکام کو ہدایات دے دیں... وہ جہاز ہمیں تیار ملے... ہم ایک گھنٹے بعد ائیر پورٹ پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں... جن آفیسرز نے آپ کو ایر پورٹ پر وصول کیا تھا... وہی وہاں موجود ہوں گے... تاکہ آپ کو جہاز تک پہنچا سکیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

اور پھر ایک گھنٹے بعد وہ ائیر پورٹ پر پہنچ گئے... ان کا شان دار استقبال کیا گیا... پھر جہاز تک لایا گیا... وہ جہاز میں سوار ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا... اس وقت انہوں نے سومی اور پائلٹ کی آواز سنی:

''خوش آمدید صاحبان۔''

''السلام علیکم۔'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''اوہ ہاں! وعلیکم السلام۔'' ان دونوں نے شرما کر کہا۔

''میں... میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں... آپ نے... آپ نے ہمیں اس حد تک یاد رکھا... اور آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا... وہ بھی تا زندگی مجھے یاد رہے گا...''

''کوئی بات نہیں... اب ہم جو بات بھی کریں گے... لکھ کر کریں گے۔''

''کیا مطلب؟'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''ہمارا یہ سفر بہت خفیہ ہے... کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی... اور ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے... انشاء اللہ اور اسی طرح واپس بھی آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے... ہمیں تو حکم ملا ہے کہ آپ کی ہدایات پر عمل کریں... پائلٹ نے کہا۔

''سومی صاحبہ کا نام تو ہمیں معلوم ہے... آپ کا نام بھی معلوم ہو جائے۔''

''جی ضرور... میں شادان ہوں۔''

''ٹھیک ہے شادان صاحب... اب میں ایک جملہ لکھ رہا ہوں... آپ لکھ کر جواب دیں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی نوٹ بک نکالی... اور اپنے خاص قسم کے قلم سے اس پر لکھا:

''کیا آپ شنٹون کے راستے سے واقف ہیں۔''

شادان نے ان سے نوٹ بک لی اور جیب سے اپنا قلم نکالا... لیکن انسپکٹر جمشید نے اشارے سے منع کر دیا اور بتایا کہ اسے جو کچھ

لکھنا ہے... ان کے قلم سے لکھے...

اس ہدایت پر اسے حیرت سی ہوئی... تاہم اس نے کچھ کہا نہیں ان کے ہاتھ سے قلم لے لیا اور لکھا:

''ہاں! میں شنٹون کے راستے سے بہت اچھی طرح واقف ہوں... اور کچھ عرصہ مڈگام سے شنٹون جاتا رہا ہوں۔''

''بہت خوب... تب پھر ہماری آج کی منزل شنٹون ہے... چلیے۔''

''لیکن ہم وہاں اتریں گے کیسے۔''

''آپ اس بات کو چھوڑیں... یہ میرا کام ہے... آپ کو تو بس تنا کرنا ہے جتنا کہا گیا ہے... ہاں اگر آپ کو شنٹون کا راستہ معلوم نہیں ہے واور بات ہے... اس صورت میں۔'' وہ لکھتے لکھتے رک گئے۔

''اس صورت میں کیا؟'' شادان نے کہا۔

''اس صورت میں مجھے اپنے ملک سے پائلٹ بلوانا ہوگا۔''

''اس کی ضرورت نہیں... میں راستے جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''بس ٹھیک ہے... اب چلیں۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے قلم بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور نوٹ بک کو بھی بند کر دیا... اس کے ساتھ ہی انہوں نے نوٹ بک کو اسی جگہ سے کھول کر ان کے سامنے کیا تو وہ بول اٹھا:

''ارے... وہ جملے کہاں گئے... جو آپ دونوں نے لکھے تھے۔'' سومی چلا اٹھی۔

''وہ ہوا ہو گئے۔''

''آپ کا یہ قلم حیرت انگیز ہے۔''

''جی ہاں! یہ ہمارے دوست پروفیسر داؤد صاحب کی ایجاد ہے۔''

اب ان کا سفر شروع ہوا... ایک گھنٹے بعد پائلٹ نے ان سے کہا:

''ہم پہنچنے والے ہیں... اب آپ ایئر پورٹ حکام سے بات شروع کر لیں۔''

''ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں...'' یہ کہہ کر وہ جہاز کے پائلٹ کے پاس آ گئے... جلد ہی ان کا رابطہ حکام سے ہو گیا... انہوں نے اپنے بارے میں بتایا تو فوراً ان کی بات توجہ سے سنی گئی... اور جہاز کو اترنے کی اجازت دی گئی...

اس پر سوی اور شادان کو بہت حیرت ہوئی... شادان بول اٹھا:

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر آسانی سے اجازت مل جائے گی۔''

''بات یہ ہے شادان صاحب کہ اس ملک کے لیے بھی ہم نے کئی کام کیے ہیں... اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر اس ملک کے خلاف ہونے والی غیر ملکی سازشوں کو ناکام بنایا ہے۔ لہٰذا ملک کے صدر ہمارا احسان مانتے ہیں... اور ان کی طرف سے پورے ملک کے محکموں کو ہدایات ہیں کہ ہمارے ساتھ پوری طرح تعاون کیا جائے۔''

''اوہ!'' ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

پھر جہاز اترتے ہی چند آفیسران کی طرف لپکے... ان سے گرم جوشی سے ملے... اور انہیں ایئر پورٹ سے باہر لے آئے... باہر ایک شان دار اور بڑی گاڑی میں انہیں بٹھایا گیا اور پھر ایک بڑی عمارت میں لایا گیا:

پائلٹ اور سوی کو ایک کمرے میں آرام کرنے کے لیے کہا... پھر خود انہیں ملک کے صدر کے پاس لے جایا گیا... انہوں نے بھی ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا:

''آپ کی اچانک آمد پر حیرت ہے... کیا ہم اس بارے میں بات چیت کر سکتے ہیں۔''

''ہم لکھ کر بات کریں گے۔''

''اوہ اچھا... نکالیے پھر نوٹ بک۔'' صدر مسکرائے۔

انسپکٹر جمشید نے وہی نوٹ بک نکال کر سامنے رکھی اور اپنا قلم نکال کر اس سے نوٹ بک پر لکھا:

''مڈگام کے ایٹمی سائنس دان پروفیسر ڈان کوپر کو اغوا کر لیا گیا ہے... کوشش کے باوجود وہاں کی انتظامیہ انہیں تلاش نہیں کر سکی... اس پر مڈگام کے صدر اتا شابیری نے ہماری خدمات حاصل کر لیں... اب یہ کام ہمیں کرنا ہے... ہم نے کام شروع کیا تو ضرورت محسوس کی کہ اس کیس میں ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی... لہٰذا میں نے پہلے آپ سے ملاقات کی ٹھانی۔''

''میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں... آپ حکم کریں۔''

''حکم نہیں... درخواست... یہاں میرے چند خفیہ کارکن رہتے ہیں... میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے... آپ ان سے رابطہ کرلیں... اور یہیں بلا لیں۔'' صدر نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے موبائل پر دو کارکنوں سے رابطہ کیا... تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ان کے سامنے موجود تھے... وہ ایک مرد اور ایک عورت تھے... انسپکٹر جمشید نے ان سے بھی خفیہ روشنائی والے پین سے لکھ لکھ بات کی... پوری کرنے کے بعد... انہوں نے صدر صاحب سے رابطہ کیا... وہ جلد ہی پہنچ گئے... اب انہوں نے ان سے پھر لکھ کر بات کی:

''میں ان دونوں کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے... لے جائیں...''

''مجھے امید ہے... کہ ایک آدھ دن میں پھر یہاں آنا ہوگا... آپ ایئرپورٹ حکام کو بتادیں... اس وقت ہوسکتا ہے... ہم خطرے میں ہوں... لہٰذا اس بات کا بھی خیال رکھا جائے۔''

''اچھی بات ہے... آپ فکر نہ کریں... ہم ہر طرح تیار رہیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ... اب ہم چلیں گے۔''

جلد ہی ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا... آخر وہ پھر مڈگام کے ایئرپورٹ پر اترے... اس وقت ایئرپورٹ حکام نے انہیں روک لیا... کیونکہ ان کے ساتھ دو افراد اور تھے... اور ان کے بارے میں

انہیں کوئی ہدایات نہیں تھی... انسپکٹر جمشید نے صدر اتاشا بیری سے رابطہ کیا اور بولے:

''میں اپنے ساتھ اپنے دو کارکنوں کو لایا ہوں... ان کی اس کیس میں ضرورت تھی... کیونکہ اس کیس میں میں آپ کی انتظامیہ کے کسی شخص سے مدد نہیں لینا چاہتا... لہٰذا ایئرپورٹ حکام کو ہدایات دی جائیں کہ انہیں ملک میں داخل ہونے دیا جائے۔''

''اچھی بات ہے... میں ان سے بات کرتا ہوں۔''

پھر انہیں کار میں بٹھا کر پروفیسر ڈان کوپر کی تجربہ گاہ میں لایا گیا۔ حارث گاشا اور ان کے ساتھیوں نے ان کا استقبال کیا:

''ساباط قونی کے بارے میں بتائیں۔''

''ان کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملا... پولیس ہر طرف تلاش کر رہی ہے۔''

''اوہ اچھا... خیر... ہم اپنا کام وہیں سے شروع کریں گے، جہاں چھوڑا تھا... مطلب یہ کہ ہم آپ لوگوں سے سوالات کر رہے تھے... سب سے سوالات ہوچکے تھے... بس ساباط قونی رہ گئے تھے... جب وہ مل جائیں گے تو ان سے بھی سوالات کرلیں گے... فی الحال ہم لوگ آرام کریں گے... کیونکہ جس وقت سے آئے ہیں... برابر کام میں مصروف رہے ہیں۔''

انہیں ان کے رہائشی کمروں تک پہنچادیا گیا... وہ بستروں پر لیٹ گئے... اور سوچنے لگے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

''ہاں تو کیا خیال ہے... سب کا اس کیس کے بارے

میں...''

''جہاں تک میرا خیال ہے جمشید... یہ نہایت الجھا ہوا کیس ہے۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''اس میں تو خیر کوئی شک نہیں...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''سب سے زیادہ معاملہ ساباط قونی کا کھٹک رہا ہے... آخر وہ کہاں غائب ہو گئے۔ جب ہم یہاں آئے تھے... تو اس وقت تو وہ یہاں موجود تھے... دوسروں کے ساتھ انہوں نے بھی ہم سے بات چیت کی... پھر سنا گیا کہ ان کے پیٹ میں درد اٹھا تھا... اور انہیں ڈاکٹر... کے پاس جانا پڑا ہے... ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ وہ ان کی طرف نہیں آئے... اس سے صاف ظاہر ہے... وہ خود غائب ہوئے ہیں۔'' محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''لیکن بھئی... اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ وہ یہاں سے ڈاکٹر کی طرف ہی گئے ہوں... لیکن راستے میں انہیں اغوا کر لیا گیا ہو... اور یہ کام انہی لوگوں کا ہو جنھوں نے پروفیسر ڈان کوپر کو اغوا کیا ہے... شاید ساباط قونی ان کے بارے میں کچھ بتانے کے قابل تھے... اغوا کرنے والوں کو خوف محسوس ہوا کہ سوالات کے دوران کہیں وہ بات بھی ان سے نہ پوچھ لی جائے... لہٰذا انہوں نے اس سے پہلے انہیں غائب کر دیا۔'' فاروق نے کہا۔

''یہ سب اندازے ہیں۔'' فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''اندازے تو لگائے ہی جاتے ہیں... اس قسم کے کیس میں۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''ہاں! یہی بات ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''شکریہ ابا جان!'' فاروق مسکرایا۔

''ایک خیال میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جمشید۔'' خان رحمان بول اٹھے۔

''ضرور خان رحمان... کیوں نہیں۔''

''کیا اس بات کا امکان نہیں کہ ساباط قونی ہمارے سوالات سے بچنے کے لیے خود ہی غائب ہو گئے ہوں۔''

''بہت خوب خان رحمان! بالکل یہی میرا خیال ہے... اور اس کا مطلب ہے... انہیں پروفیسر ڈان کوپر کے بارے میں معلوم تھا۔''

''تب پھر اب پہلے انہیں تلاش کرنا ہوگا۔''

''آؤ... میں تلاش کیے دیتا ہوں انہیں۔'' انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

''جی... کیا مطلب؟''

''میرا خیال ہے... انہیں تلاش کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔''

''بس تو پھر ذرا جلدی سے انہیں تلاش کر لیجیے... اس لیے کہ مارے سسپنس کے ہمارا بُرا حال ہے۔''

''آؤ... چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ باہر نکل کر رہائشی علاقے کی طرف چل پڑے... یہ دیکھ کر فرزانہ بولی:

''تو آپ کے خیال میں وہ اپنے گھر میں ہی کہیں چھپے ہوئے ہیں۔''

"اگر وہ خود غائب ہوئے ہیں تو امکان اسی بات کا ہے..."

اور پھر جلد ہی انہوں نے ساباط کے دروازے پر دستک دے ڈالی... چند سیکنڈ بعد اندر سے ایک عورت کی آواز سنائی دی:

"کون؟"

انہوں نے اپنے بارے میں بتایا:

"اوہ اچھا... فرمائیے۔"

"ہمیں ساباط قونی سے ملنا ہے۔"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں... وہ غائب ہیں۔"

"اسی لیے تو پھر یہاں آئے ہیں۔"

"جی کیا مطلب..." اندر سے چونک کر کہا گیا۔

"ہمارا خیال ہے... وہ گھر ہی میں کہیں چھپے ہوئے ہیں... لہٰذا یا تو آپ ہماری ان سے ملاقات کرا دیں... ورنہ پھر تلاشی دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"کیا!!!"

خوف زدہ انداز میں کہا گیا:

☆☆☆

دوسری خاتون

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر خاتون کی مردہ سی آواز سنائی دی:

"میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتی ہوں..."

"اچھی بات ہے... لیکن پہلے یہ سن لیں کہ ہم سب کے سب ڈرائنگ روم میں نہیں بیٹھیں گے... ہم میں سے ایک دو گھر کے باہر ہی موجود رہیں گے... تاکہ آپ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر انہیں گھر سے نکل جانے کا اشارہ نہ دے دیں۔"

"اوہ اچھا... ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے محمود باہر ٹھہر گیا... اب انسپکٹر جمشید نے کہا:

"ہاں تو کیا پروگرام ہے، آپ ہماری ملاقات ساباط صاحب سے کرائیں گی یا گھر کی تلاشی دیں گی... یہ بات ذہن میں رکھیے، اگر آپ دونوں باتوں سے انکار کریں گی تو ہم یہاں پولیس کو بلا لیں گے اور پھر اس گھر کی تلاشی پولیس کی مدد سے لی جائے گی... میرا خیال ہے کہ وہ صورت

حال آپ کے حق میں مفید نہیں رہے گی...''

''مم... میں... میں ابھی آئی۔'' خاتون نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پھر تیز تیز چلنے کی آواز گونج اٹھی... وہ لگے انتظار کرنے... آخر قدموں کی آواز پھر سنائی دی... اور ساباط توئی کمرے میں داخل ہوا... اس کا چہرہ ستا ہوا تھا... وہ آکر ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا... منہ سے کچھ نہ بولا:

''تو ہمارا اندازہ درست نکلا... آپ کے پیٹ میں کوئی درد نہیں ہوا تھا... آپ تو بس سوالات سے بچنا چاہتے تھے... آپ کا خیال تھا، آپ ہمارے سوالات کے جوابات تسلی بخش قسم کے نہیں دے سکیں گے... یہی بات تھی نا۔''

''ہاں جناب! یہی بات تھی۔'' اس نے فوراً کہا۔

''تب پھر جس قدر جلد ممکن ہے... یہ بتا دیں کہ پروفیسر ڈان کوپر کہاں ہیں۔''

''میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''اگر آپ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو پھر آپ کو غائب ہونے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں ایسی پوچھ گچھ کے وقت بلاوجہ گھبرا جاتا ہوں اور اس طرح شک کی زد میں آجاتا ہوں۔ اگر میں آپ کے سوالات کے جوابات دیتا تو بہت گھبراتا ہوا نظر آتا اور آپ میرے بارے میں نہ جانے کیا خیال قائم کر لیتے... لہٰذا میں نے سوچا... بس غائب ہو جاؤں۔''

''جی نہیں! بات یہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''بات یہ نہیں... کیا مطلب؟'' وہ چونک کر بولا۔

''آپ کو پروفیسر ڈان کوپر کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے... اسی لیے آپ نے غائب ہونے میں بہتری سمجھی تھی...''

''جی نہیں... پروفیسر ڈان کوپر کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''اچھی بات ہے... ہم اس گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔''

''اب جب کہ میں خود آپ کے سامنے آگیا ہوں... آپ کس لیے تلاشی لینا چاہتے ہیں۔''

''اس وجہ سے کہ شاید پروفیسر ڈان کوپر بھی اسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔''

''جی... جی نہیں... آپ کا خیال غلط ہے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔

''تب پھر تلاشی دینے میں کیا حرج ہے؟''

''کوئی حرج نہیں... آپ تلاشی لے لیں... میں اپنی بیگم کو اور گھر کے دوسرے افراد کو ایک کمرے میں بٹھا دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے... لیکن آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ ہماری ملاقات ڈان کوپر سے کرا دیں۔''

''آپ غلط سوچ رہے ہیں... وہ یہاں نہیں ہیں۔'' اس نے بھنا کر کہا۔

''تب پھر کہاں ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''او کے... ہم تلاشی لیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔''

وہ اٹھ کر اندر چلا گیا:

''فاروق تم بھی گھر سے باہر جاؤ... اس کے پچھلے حصے پر پہرہ دو... اور چھت کی طرف بھی نظر رکھنا... کہیں یہ لوگ پروفیسر کو چھت کے ذریعے ساتھ والے گھر میں نہ منتقل کر دیں... ان سب گھروں کی چھتیں ملی ہوئی ہیں۔''

''جی اچھا!'' فاروق نے کہا اور فوراً باہر نکل گیا... چند منٹ بعد ساباط قوتی اندر داخل ہوا۔

''میں نے اپنے گھر کے افراد کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے... آپ لوگ پہلے باقی گھر کی تلاشی لے لیں... پھر میں انہیں اس کمرے سے نکال لوں گا اور آپ اس کمرے کی بھی تلاشی لے لیجیے گا۔''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی... پہلے یہ بتائیں... آپ کے گھر کے افراد کتنے ہیں۔''

''میں، میری بیگم، میرا بیٹا اور ان کی ایک سہیلی بھی آج کل آئی ہوئی ہیں... مطلب یہ کہ گھر کے افراد تو ہم تین ہی ہیں، مہمان سمیت چار ہیں... ملازم سرونٹ کوارٹر میں ہوتا ہے... سرونٹ کوارٹر گھر سے بالکل الگ پیچھے کی طرف ہے...''

''مطلب یہ کہ اس وقت بند کمرے میں آپ کی بیگم کے ساتھ ان کی سہیلی موجود ہیں۔''

''جی ہاں... یہی بات ہے۔''

''جاؤ فرزانہ... تم اس کمرے کی تلاشی لے لو... باقی گھر کی تلاشی ہم لے لیں گے۔''

''جی اچھا۔'' فرزانہ نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی، پھر ساباط سے بولی:

''مجھے کمرے میں پہنچا دیجیے... پھر تو آپ کو ان حضرات کے ساتھ رہنا ہوگا۔''

''آئیے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''شاید یہ سب کچھ آپ کو ناگوار لگ رہا ہے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''ہمیں افسوس ہے... لیکن ہم مجبور ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''کوئی بات نہیں... آپ اپنا کام کریں... آئیے میں آپ کو کمرے میں پہنچا دوں۔''

فرزانہ اس کے ساتھ اندرونی حصے میں چلی آئی... ساباط ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا... دستک دینے کے ساتھ ہی اس نے کہا:

''بیگم... دروازہ کھول دو... اس کمرے کی بھی ساتھ ہی تلاشی لی جائے گی... اس غرض کے لیے یہ حضرات اپنی بچی کو اندر بھیج رہے ہیں۔''

''جی اچھا!''

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا... بہت کشادہ صحن

والا گھر تھا... فرزانہ اندر داخل ہوئی... اس نے دیکھا... اندر دو خواتین موجود تھیں۔ فرزانہ نے ان دونوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا:

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' دونوں ایک ساتھ بولیں۔

''آپ پرسکون انداز میں ایک طرف بیٹھی رہیں... میں چند منٹ میں کمرے کو دیکھ لوں گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' بیگم ساباط نے فوراً کہا... دوسری خاتون بس ذرا سی حرکت کر کے رہ گئیں...

اب فرزانہ نے کمرے کی تلاشی شروع کی... سب سے پہلے اس نے الماریوں کا جائزہ لیا... الماری میں پرانے اخبارات نہایت ترتیب سے لگائے ہوئے تھے... باقی الماریاں خالی تھیں... بس گھر کی بے کار چیزیں اس میں ضرور بے ترتیبی کے عالم میں موجود تھیں...

مجھے حیرت ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''کس بات پر؟'' بیگم ساباط کی آواز سنائی دی۔

''اس بات پر کہ پرانے اخبارات کو اس حد تک ترتیب سے کیوں رکھا گیا۔''

''ان میں ان کے تجربات سے متعلق کچھ خبریں ہوں گی...''

''ہوں! کیا میں ان اخبارات کو دیکھ سکتی ہوں۔''

''اس کام کے لیے تو گھنٹوں درکار ہیں۔'' بیگم ساباط نے گھبرا کر کہا۔

''جی نہیں... میں پندرہ بیس منٹ اس کام میں صرف کروں

گی۔''

''جیسے آپ کی مرضی... ہم تو پھر اس طرف بیٹھ کر اپنی باتیں کر رہے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

وہ دونوں ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ کر دبی آواز میں باتیں کرنے لگیں... فرزانہ نے یوں ظاہر کیا جیسے ان کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ رہی ہو... اور اخبارات دیکھنے لگی... ان اخبارات میں واقعی پروفیسر ڈان کوپر اور ان کے تجربات کا ذکر تھا... وہ آخر اس ملک کے ایٹمی سائنس دان تھے... اخبارات میں ان کا ذکر کیوں نہ ہوتا... فرزانہ نشان زدہ خبروں کی صرف سرخیاں دیکھتی چلی گئی... کئی جگہ اسے حیرت کے جھٹکے بھی لگے... اس نے اپنی نوٹ بک میں چند باتیں نوٹ بھی کیں... دوسری طرف اس کے کان ان دونوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے... اگرچہ وہ بہت نیچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں... لیکن پھر بھی وہ ان باتوں کو بخوبی سن رہی تھی... اچانک اسے جھٹکا تک لگا... لیکن اس نے خود کو لگنے والے جھٹکے کو چھپا لیا اور ان دونوں کو محسوس نہ ہونا دیا... یوں بھی وہ مسلسل اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں... بس کبھی کبھی دیکھ لیتی تھیں... آخر فرزانہ نے تمام اخبارات کی سرخیاں دیکھ ڈالیں... پھر وہ ان دونوں کی طرف آئی... اور ایک کرسی سنبھال کر بیٹھتے ہوئے بولی:

''اب میں آپ سے چند سوال پوچھنا پسند کروں گی۔''

''جی ضرور... پوچھیے۔''

''میرا پہلا سوال... پروفیسر ڈان کوپر کہاں ہیں۔'' اس نے

بے دھڑک انداز میں کہا۔

وہ دونوں بری طرح اچھلیں... ان کے چہروں پر خوف پھیل گیا۔

جہاز

''آیئے! اب ہم اپنا کام شروع کریں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی ہاں... چلئے۔'' ساباط قونی نے فوراً کہا... ایسے میں اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار بہت واضح طور پر نظر آرہے تھے... اور اس چیز کو وہ بھانپ چکے تھے۔

''کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ...'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

سب لوگ رک کر ان کی طرف دیکھنے لگے:

''کیا بہتر نہیں ہوگا؟'' ساباط نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''کہ آپ خود ہی سب کچھ بتادیں۔''

''کیا بتادوں؟''

''جو آپ کو معلوم ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

''آپ کا مطلب ہے... پروفیسر صاحب کے بارے میں؟''

''ہاں! ہمارا خیال ہے... پروفیسر صاحب اسی گھر میں کہیں موجود ہیں۔''

''نہیں... آپ کا یہ خیال درست نہیں۔''

''تب پھر وہ کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اچھی بات ہے... اب ہمیں اس گھر کی پوری طرح تلاشی لینا ہوگی۔''

''آپ کے سامنے ہے... شوق سے تلاشی لیں۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''آپ پریشان کیوں ہیں۔''

''میں ایسے موقعوں پر پریشان ہو ہی جایا کرتا ہوں...''

''اچھی بات ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔

''کیا یہ سب مکان حکومت نے آپ لوگوں کے لیے بنوائے تھے۔''

''جی نہیں... حکومت نے ہم سب کو اپنی پسند کے مکان بنوانے کی اجازت دی تھی... اخراجات اس نے کیے تھے۔''

''مطلب یہ کہ یہ مکانات آپ لوگوں نے اپنی مرضی اور اپنی نگرانی میں بنوائے تھے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''کیا پروفیسر ڈان کوپر نے بھی خود ہی اپنا مکان بنوایا تھا۔''

''ج... جی ہاں۔''

''پروفیسر صاحب کے گھر کے باقی افراد اب بھی اسی مکان میں

ہیں۔''

''جی ہاں بالکل... اور وہ کہاں چلے جاتے؟'' اس نے منہ بنایا۔

''خوب... یہاں کی تلاشی سے فارغ ہو کر ہمیں اس مکان کی بھی تلاشی لینا ہوگی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''خوشی سے لیں... مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

ساباط قونی کے گھر کی اچھی طرح تلاشی لی گئی... کہیں کچھ نہ مل سکا... ادھر فرزانہ بھی باہر آگئی... اس نے بتایا:

''اندر کوئی چیز نہیں ملی... البتہ ایک بات ہے۔''

''اور وہ کیا...''

''ان کی بیگم کی جو سہیلی ہیں... وہ مجھ سے مسلسل نظریں چرائے رہی ہیں، جب کہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں تھی... لہٰذا انہیں چیک کرنا ہوگا... اندر جب میں نے ان سے اچانک یہ پوچھا کہ پروفیسر ڈان کوپر کہاں ہیں تو وہ زور سے اچھل پڑی تھیں اور ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے... لیکن پھر جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ سنبھال ضرور لیا، لیکن سہیلی صاحبہ نے ایک بار بھی نظریں ملا کر بات نہیں کی... بس مجھے تو یہ چیز چبھ رہی ہے۔''

''تب پھر تم نے ان سے کھل کر بات کیوں نہیں کی۔'' انسپکٹر جمشید نے بڑا سا منہ بنایا۔

''وہ کھل کر بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں... ان کا کہنا ہے ساباط صاحب کو اندر بلا کر ان کی موجودگی میں پوچھیں جو پوچھنا ہے۔''

''ٹھیک ہے... ساباط صاحب... آپ فرزانہ کو ساتھ لے جائیں... اور ان سے کہیں وہ ان کے سوالات کے جوابات دیں... اگر وہ صاف صاف جوابات نہیں دیں گی تو ہم صدر صاحب کو فون کر کے یہاں خود انہیں بلوالیں گے... اس کے بعد بھی تو انہیں جواب دینا ہوگا۔''

''نن نہیں... نہیں۔'' ساباط نے خوف کے عالم میں کہا۔

''تب پھر آپ ان کے ساتھ اندر جائیں۔''

''آیئے بے بی۔'' اس نے گھبرا کر کہا اور اس کمرے کے دروازے پر جا کر زوردار انداز میں دستک دی۔

دروازہ کھلنے پر دونوں اندر داخل ہو گئے...

''کوئی نہ کوئی چکر زور چل رہا ہے یہاں کہیں۔'' فاروق بڑبڑایا۔

''میرا خیال ہے... چکر جلد ہی سامنے آنے والا ہے...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''آپ کا مطلب ہے... ہم پروفیسر ڈان کو پر تک پہنچنے والے ہیں۔'' فاروق جلدی سے بولا۔

''یہ تو خیر ابھی نہیں کہا جا سکتا۔''

''جمشید! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' ایسے میں پروفیسر داؤد بولے۔

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف ایک نظر دیکھا... پھر بولے:

''آپ کا خیال ٹھیک ہے... میں بھی خوف محسوس کر رہا ہوں۔''

''کیا کہہ رہے ہو جمشید... اگر تم بھی خوف محسوس کر رہے ہو تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔'' خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

''شاید اس کیس میں ہم سب کا چوں چوں کا مربہ بنے گا۔'' انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''اب جب تک فرزانہ باہر نہیں آجاتی... ہم گھر کی تلاشی نہیں لے سکتے...''

''شاید... اب اس کی ضرورت نہ پڑے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی... کیا مطلب؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''فرزانہ کے آنے تک...''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت دروازہ کھلا... اور فرزانہ کی صورت نظر آئی... اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آرہی تھی:

''کیا خبر ہے... فرزانہ۔''

''امید کے خلاف... گمان کے خلاف... لیکن دیواروں کے...''

''ہاں ہاں... ہم سمجھتے ہیں... ٹھیک ہے... ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

انسپکٹر جمشید نے صحن میں میز کے گرد بچھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا... سب ان پر بیٹھ گئے تو انہوں نے محمود اور فاروق کو اشارہ کیا کہ وہ ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں...

انہیں یہ اشارہ دے کر انہوں نے خود کاغذ پر لکھا:

''ہم اب اصل بات چیت لکھ کر کریں گے۔''

’’بالکل ٹھیک۔‘‘

’’اندر کیا رہا... جواب لکھ دو۔‘‘ انہوں نے کہا۔

جواب میں فرزانہ نے کچھ لکھ کر ان کے سامنے کر دیا... پھر جونہی انسپکٹر جمشید نے اس کے لکھے جملے کو پڑھا... وہ بُری طرح اچھلے... ادھر ساباط قونی کمرے سے نکلتے نظر آئے... ان کا چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا... ان پر کپکپی طاری تھی... انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ جائیں... پھر انسپکٹر جمشید نے ان کے لیے ایک جملہ کاغذ پر لکھا... اور کاغذ ان کے سامنے کر دیا:

ساباط قونی نے جملہ پڑھا اور اس کا جواب لکھنے لگے... انہوں نے لمبا جواب لکھا... پھر ان کے آگے کر دیا... وہ سب ایک ساتھ جواب پڑھنے لگے... ان کی حیرت اور خوف میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا... آخر انہوں نے پورا جواب پڑھ لیا... پھر محمود فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو چند ہدایات لکھ کر دیں...

ان ہدایات کو پڑھتے ہی وہ حرکت میں آ گئے... ادھر انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر صدر کی آواز سنائی دی:

’’زبردست امید ہو چلی ہے کہ ہم دو دن کے اندر اندر پروفیسر ڈان کو پر کو تلاش کرنے اور آپ کی خدمت میں پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔‘‘

’’او ہو اچھا۔‘‘

’’جی ہاں! لیکن آپ کے اس کیس کا سلسلہ ایک نزدیک کے ملک

تک پہنچا ہوا ہے... اور مجھے فوری طور پر ایک بار پھر وہاں جانا پڑ رہا ہے۔‘‘

’’ضرور جائیں... بس اس کام کو جلد از جلد نمٹا دیں۔‘‘

’’آپ فکر نہ کریں... میرا دعویٰ ہے... کہ اب اس کام میں دو دن سے زیادہ نہیں لگیں گے... کیونکہ ہم نے کچھ اہم معلومات حاصل کر لی ہیں... بہت تھوڑا کام باقی ہے۔‘‘

’’میرے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے۔‘‘

’’بس تو پھر آپ ایک بار پھر ائیر پورٹ حکام کو ہدایات دے دیں۔‘‘

’’انہیں پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے... آپ جب چاہیں آ جا سکتے ہیں... حکام کے فون نمبر آپ کو ائیر پورٹ پر وہ خود نوٹ کروا دیں گے۔‘‘

’’اس طرح اور آسانی ہو جائے گی... آپ کا بہت بہت شکریہ۔‘‘

فون بند کر کے وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے...

’’چلنے کی تیاری کریں... ہمیں ایک بار پھر ہوائی سفر کرنا ہو گا۔‘‘

اس کے بعد وہ اپنی تیاریوں میں زور شور سے مصروف ہو گئے... دو گھنٹے بعد ائیر پورٹ حکام کی طرف سے فون موصول ہوا... ان سے کہا گیا:

’’جہاز بالکل تیار ہے... آپ لوگ آ سکتے ہیں۔‘‘

یہ پیغام ملتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے... جلد ہی وہ ائیر پورٹ پر پہنچ گئے... چند آفیسر نے ان کا استقبال کیا... انہوں نے اپنے نمبر انہیں نوٹ کروا دیے... پھر ان کے ساتھ دو اور ساتھیوں کو دیکھ کر انہوں نے کہا:

''کیا یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔''

''جی ہاں... آپ کو معلوم ہی ہے... انہیں ہم شنٹون سے ساتھ لائے تھے... لہٰذا اب یہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

''اچھی بات ہے... آیئے آپ کا جہاز تیار ہے۔''

وہ جہاز تک آئے... دروازے پر سومی اور پائلٹ نے مسکرا کر ان کا ااستقبال کیا... پھر وہ جہاز میں بیٹھ گئے۔ جہاز کے دروازے بند ہونے پر انسپکٹر جمشید نے منزل کا نام کاغذ پر لکھا اور پائلٹ کو دے دیا:

جلد ہی وہ فضا میں پرواز کر رہے تھے:

''آپ کا کام کہاں تک پہنچا۔''

''جلد کامیابی کی امید ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے... آپ پروفیسر ڈان کو پر تک پہنچ جائیں گے۔''

''ہاں! انشاء اللہ...''

ایک بار پھر وہ شنٹون کے ائیر پورٹ پر اترے... وہاں سے سیدھے ایوان صدر پہنچے... صدر نے پر جوش انداز میں ان سے ملاقات کی:

''بہت جلد جلد چکر لگا رہے ہیں انسپکٹر جمشید۔''

''جی ہاں... میں آپ کو اس کیس کی تفصیل سناتا ہوں...''

''لیکن مجھے کیوں... کیا اس سے میرا بھی تعلق ہے۔؟''

''نہیں... آپ سے تعلق نہیں ہے... لیکن میں آپ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں ہوں۔''

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''میں وضاحت کر دوں گا۔''

''خیر بتائیں... تفصیل... اللہ کرے میں آپ کے کام آسکوں۔''

''انشاء اللہ!'' انہوں نے کہا اور پھر تفصیل لکھنے لگے... صدر صاحب ساتھ ساتھ پڑھتے چلے گئے... اس وقت تک وہ جو کچھ کر سکے تھے... اس کی تفصیل بھی انہیں سنادی اور آخر خاموش ہو گئے۔

''اس ساری گفتگو میں یہ بات نہیں کہ میں اس کیس میں کیا مدد کر سکتا ہوں... ابھی تک تو آپ خود پروفیسر ڈان کو پر تلاش نہیں کر پائے۔''

''میں اپنے ساتھ دو مہمان لایا ہوں... بلکہ دو نہیں... چار... آپ ان چاروں کی میزبانی کریں گے... ان کی حفاظت کریں گے... انہیں کوئی باعزت روزگار مہیا کریں گے... کیونکہ یہ کچھ مدت یہیں رہیں گے...''

''یہ بھی بھلا کوئی کام ہوا...'' صدر صاحب مسکرائے۔

''فی الحال آپ اتنا کر دیں... ہمارے لیے یہی بہت ہے۔''

''اچھی بات ہے... میں ہر طرح تیار ہوں۔''

اب انسپکٹر جمشید نے مڈگام کے صدر کے نمبر ملائے... صدر کی آواز سن کر انہوں نے کہا:

''سر! آپ کو مبارک ہو... میں پروفیسر ڈان کوپر کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا ہوں... اغوا کرنے والوں نے انہیں شنٹون میں ایک جگہ چھپا رکھا تھا... میں نے انہیں گرفتار کر لیا ہے... میں انہیں پائلٹ اور سوی کے ساتھ آپ کی طرف بھیج رہا ہوں... یہ بالکل صحت مند ہیں... ان کے ساتھ اغوا کرنے والے دو افراد بھی جہاز میں سوار کروا رہا ہوں... لیکن انہیں مکمل طور پر باندھ دیا گیا ہے... آپ ایئر پورٹ پر اپنے عملے کو چوکس کر دیں...''

''کیا... کیا واقعی انسپکٹر جمشید۔'' صدر مارے خوشی کے چلائے۔

''جی ہاں! آپ ابھی ڈیڑھ گھنٹے بعد دیکھ ہی لیں گے۔''

''شنٹون کے صدر سے پرانے دوستانہ تعلقات ہیں... انہوں نے زبردستی روک لیا ہے... چنانچہ میں صبح آؤں گا... آپ جہاز کو واپس بھجوا دیجیے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں... جہاز پہنچ جائے گا... آپ نے ہمارے لیے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا... میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا... اور ہر ممکن حد تک آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا... آپ ایک ہفتے تک میرے مہمان رہیں گے... اس سے پہلے میں آپ کو نہیں جانے دوں گا۔''

''ایک ہفتہ... یہ تو بہت زیادہ مدت ہے جناب! ہمیں تو اپنے ملک میں کئی ضروری کیس نبٹانے ہیں۔''

''وہ سب ہوتا رہے گا...''

''اچھا خیر... یہ ہم بعد میں طے کر لیں گے... پہلے آپ آئیں تو سہی۔''

اور پھر انہوں نے جہاز روانہ کر دیا... دوسری صبح ایئر پورٹ حکام کی طرف سے انہیں بتایا گیا کہ جہاز ابھی تک نہیں پہنچا... یہ سن کر انہوں نے صدر کو فون کیا... فوراً ہی اس کی آواز سنائی دی:

''ہم جہاز کا انتظار کر رہے ہیں... ابھی تک نہیں پہنچا۔''

''اور وہ پہنچے گا بھی نہیں انسپکٹر جمشید۔''

'جی... کیا مطلب؟'' وہ چونک کر بولے۔

''میں نے دوسرا جہاز بھیج دیا ہے... وہ پہنچنے ہی والا ہوگا... بس آپ اس پر چلے آئیں... یہیں بتاؤں گا کہ جہاز کیوں نہیں پہنچا۔''

''اگر کوئی گڑبڑ ہو گی ہے تو فون پر ہی بتا دیں۔''

''نہیں... آپ یہیں آ جائیں۔''

''جی اچھا!''

پھر وہ مڈگام پہنچ گئے... انہیں فوراً صدر کے پاس پہنچایا گیا... صدر نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا... پھر انہیں اندر لے جایا گیا... جب سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے... تب انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ہاں تو... وہ جہاز کیوں نہیں بھیجا آپ نے۔''

''آپ کے لیے یہ خبر شاید رنج و غم کا سبب بنے گی... کیونکہ

جہاز میں آپ کی سوی اور اس جہاز کا پائلٹ بھی تھا...''

''جی کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کہ جہاز یہاں تک نہیں پہنچ سکا... وہ راستے ہی میں پھٹ گیا تھا۔ اس میں آگ لگ گئی تھی... ہم نے رسد گاہ میں لگی دوربینوں پر اسے آگ لگتے اور گرتے خود دیکھا ہے۔''

''کیا نہیں!!!'' انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

☆☆☆

کامیابی یا ناکامی

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید نے درد بھرے لہجے میں کہا:

''یہ... یہ کیا ہوا... یہ تو ساری محنت ضائع ہوگئی... آپ کے ملک کے چوٹی کے ایٹمی سائنس دان کو ہم نے تلاش کرلیا... لیکن وہ آپ تک نہ پہنچ سکے... اُف میرے مالک... مجھے بلانے کا بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا... آپ نے کتنی تگ ودو کی... اور ہم نے بھی اپنی پوری کوشش کر کے انہیں تلاش کیا... افسوس... یہ تو کچھ بھی نہ ہوا اور پھر بے چاری سوی اور وہ غریب پائلٹ... وہ بھی ساتھ مارے گئے... چچ چچ... کیا ان کی لاشیں مل چکی ہیں۔''

''نہیں... تلاش جاری ہے... لیکن امکان نہیں کہ لاشیں مل جائیں... جس جگہ جہاز گرتا نظر آیا ہے... وہاں سمندر تھا... جہاز سیدھا سمندر میں گرتا نظر آیا تھا... اب ظاہر ہے... جہاز تو سمندر کی تہہ ہی میں چلا گیا ہوگا نا۔'' صدر بولے۔

''ہوں... اس واقعے پر جتنا بھی رنج کیا جائے کم ہے... اب ہم

یہاں ایک ہفتے تک نہیں ٹھہر سکیں گے... ہم آج ہی واپس جانا پسند کریں
گے... مہربانی فرما کر انتظام کر دیجیے۔''

''ہوں ٹھیک ہے... آپ کی مرضی... ویسے آپ ٹھہرنا پسند کریں
تو مجھے تو خوشی ہوگی۔''

''نہیں! آپ کا شکریہ... ہم جانا چاہتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... میں ابھی انتظام کر دیتا ہوں۔''

''اور ابا جان... اس کا مطلب ہے... ہم اس کیس میں کامیاب
نہیں ہو سکے... یہ ہمارا ایک ناکام کیس تھا۔'' محمود نے دکھ بھرے لہجے میں
کہا۔

''اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''لیکن اس میں آپ لوگوں کا کیا قصور۔'' صدر نے فوراً کہا۔

انہوں نے غمگین انداز میں سر ہلا دیے... اور پھر کچھ ہی دیر
بعد وہ اپنے ملک کی طرف پرواز کر رہے تھے... راستے میں بھی وہ اسی درد
ناک حادثے کے بارے میں باتیں کر رہے۔ یہاں تک کہ اپنے ملک پہنچ
گئے... مڈگام کا جہاز اسی وقت واپس روانہ ہوگیا... وہ اسے فضا میں گم
ہوتے دیکھتے رہے... ایئرپورٹ سے باہر نکلے... اکرام اور کچھ دوسرے
لوگ ان کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ سب ان کی طرف دیکھ
لپکے... علیک سلیک کے بعد انسپکٹر جمشید نے پوچھا:

''کیوں بھئی... کیا خبریں ہیں۔''

''اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں سے بس مڈگام کے اس
جہاز کی تباہی کی ہی خبریں نشر ہو رہی ہیں... جس میں آپ نے پروفیسر ڈان کو

پر اور مجرموں کو مڈگام روانہ کیا تھا...''

''ہوں... آؤ چلیں۔''

پھر وہ گھر آ گئے... بیگم جمشید نے تھکے تھکے انداز میں ان کا
استقبال کیا...

''مجھے افسوس ہے... آپ کی کامیابی ناکامی میں بدل گئی... اس
کیس میں آپ کو شکست ہوگئی...''

''اللہ کو یہی منظور تھا... رنجیدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ
مسکرائے۔

''یہ کیا... آپ مسکرا رہے ہیں۔''

''ہاں! ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ صحن میں آ گئے... اکرام نے ان سے
اجازت چاہی تھی اور وہ باہر سے ہی واپس چلا گیا تھا... محمود نے گھر کا
دروازہ اندر سے بند کر لیا... اس وقت پروفیسر داؤد نے کہا:

''مبارک ہو جمشید۔''

''مبارک ہو جمشید۔'' خان رحمان نے بھی فوراً کہا۔

''کیا مطلب... یہ آپ مبارک بادیں کیسی وصول کر رہے ہیں۔''

''یہ مبارک بادیں وصول کرنے ہی کا دن ہے... لیکن ٹھہرو...
پہلے میں ایک فون کر لوں گا۔''

انہوں نے شنشون کے صدر کے نمبر ملائے... جلد ہی صدر کی
آواز سنائی دی تو وہ بولے:

''انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں... کیا یہاں ہر طرح خیریت

ہے۔''

''بالکل... سو فیصد خیریت ہے... آپ اپنی سنائیں۔''

''ہم بھی ادھر خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے... ویسے جہاز والے حادثے پر خود میں بھی غمگین ہوں۔''

''اللہ کو یہی منظور تھا... اچھا... پھر ملیں گے۔''

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے... پھر پروفیسر داؤد سے بولے:

''آپ کے آلات تو ٹھیک ہیں۔''

''ہاں جمشید... یہاں میرے آلات بالکل ٹھیک ہیں... کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں... تم بے فکر ہو کر بھابی صاحبہ کو ساری بات بتا سکتے ہو۔''

''اچھی بات ہے... بات یہ ہے بیگم کہ پروفیسر ڈان کوپر بالکل خیریت سے ہیں... زندہ سلامت ہیں... اور ان کے ساتھ ساباط قونی بھی زندہ سلامت ہیں... صرف وہی نہیں... ایئر ہوسٹس سومی اور پائلٹ شادان بھی خیریت سے ہیں... صرف، اور صرف جہاز سمندر میں غرق ہوا ہے... اور یہی ہمارا مقصد تھا۔''

''جی... کیا مطلب وہ چونکیں۔

''پہلے میں تفصیل سناتا ہوں... پھر کہانی اس مقام سے شروع کروں گا... جب ہم پہلی مرتبہ جہاز میں بیٹھ کر شنٹون گئے تھے، یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ملک سے روانہ ہونے سے لے کر صدر رنڈگام سے ملاقات کی تفصیلات بیان کر دیں... انہیں بتا دیا کہ صدر ان سے کیا چاہتے تھے... اس

کے بعد انہوں نے اپنی کوشش کی کہانی بیان کی... اور انہیں بتایا:

''اور بیگم... جب میں نے تجربہ گاہ کے چھ افراد سے باری باری سوالات کرنے کا پروگرام شروع کیا تو ساباط قونی پیٹ درد کا بتا کر چلے گئے... اور لوٹ کر نہ آئے... اس وقت مجھے دال میں کالا کالا محسوس ہوا... میں نے سب سے پہلے ساباط قونی کو تلاش کرنے کی ٹھانی... اس سلسلے میں ہم ان کے گھر گئے... وہ گھر ہی میں چھپے ہوئے تھے... انہیں آخر ہمارے سامنے آنا پڑا... پھر ہم نے ان کے گھر کی تلاشی لی... ساباط نے بتایا کہ ان کی بیوی کی ایک سہیلی آئی ہوئی ہے... ان دونوں کو ایک کمرے میں بٹھا دیتے ہیں... تاکہ آپ سارے گھر کی تلاشی لے سکیں... میں نے ساتھ ہی فرزانہ کو اس کمرے میں بھیج دیا جس میں وہ دونوں تھیں... فرزانہ نے محسوس کر لیا کہ سہیلی صاحبہ میک اپ میں ہیں... اگرچہ میک اپ بہت مہارت سے کیا گیا تھا اور کوئی اور یہ بات محسوس نہیں کر سکتا تھا... فرزانہ نے باہر آ کر یہ بات مجھے اشاروں میں بتائی... آخر کار ہم نے جان لیا کہ وہ سہیلی دراصل پروفیسر ڈان کوپر ہے۔''

''کیا!!!'' بیگم جمشید مارے حیرت کے چلائی۔

''ہاں ساباط قونی اور پروفیسر ڈان کوپر دراصل آپس میں رشتے دار ہیں... ساباط قونی کی بیوی پروفیسر ڈان کوپر کی سگی بہن ہے... اور پروفیسر ڈان کوپر کو اغوا تو کیا ہی نہیں گیا تھا... وہ تو خود غائب ہوئے تھے... اور غائب بھی کیا ہوئے تھے۔ خاموشی سے رات کے وقت اپنی بہن کے گھر آ گئے... اور ساباط قونی نے ان کے چہرے پر ایک خاتون کا میک اپ کر دیا تھا... ساباط قونی میک اپ کے بہت بڑے ماہر بھی ہیں... لیکن یہ بات

انہوں نے کسی کو نہیں بتائی تھی... اور نہ یہ بات عام لوگوں کو معلوم تھی کہ ساباط قونی کی بیوی دراصل پروفیسر ڈان کوپر کی بہن ہے... ایسا ملازمت حاصل کرنے کے سلسلے میں مجبوراً کیا گیا تھا... کیونکہ صدر مڈگام ایٹمی تجربہ گاہ میں رشتے داروں کو رکھنا پسند نہیں کرتے تھے... لہٰذا جب ان لوگوں کو ملازمت کے سلسلے میں بلایا گیا تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اجنبی ظاہر کیا...''

''اوہ... لیکن یہ سب چکر کیا ہے... پروفیسر ڈان کوپر کیوں غائب ہو گئے تھے۔''

''صدر کے ایک بہت قریبی آدمی نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ انشارجہ ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے... اور اس نے مڈگام کے صدر کو خفیہ دھمکی دی کہ اگر پروفیسر ڈان کوپر کو اس کے حوالے نہ کیا گیا تو وہ اس کا تختہ الٹ دے گا... اپنی حکومت بچانے کے لیے مڈگام کا صدر اپنے ملک کے ہیرو کو انشارجہ کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا... لیکن صدر کا کوئی قریبی آدمی پروفیسر ڈان کوپر کا بہت خیر خواہ ہے... بلکہ وہ ملک کا اصل خیر خواہ ہے... اس نے پروفیسر ڈان کوپر کو خبردار کر دیا... کہ انہیں حکومت انشارجہ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے بس انہیں اور تو کچھ نہ سوجھی... اپنی بہن کے گھر چلے گئے اور ساباط کے ذریعے اپنا حلیہ تبدیل کرا لیا... آس پاس والوں کو یہ بتایا کہ ان کی سہیلی آئی ہوئی ہے... جب میں نے انہیں پہچان لیا تو ان کے رنگ اڑ گئے... کہ اب انہیں صدر کے حوالے' دیا جائے گا... لیکن میرے سامنے جب یہ بات آ گئی تھی کہ انہیں اغوا نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ تو خود غائب ہوئے ہیں... تو میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہو گیا تھا

کہ آخر وہ کیوں اس طرح غائب ہوئے ہیں... لہٰذا میں نے ان سے جب یہ بات پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ صدر مڈگام انہیں انشارجہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تو میں سکتے میں آ گیا... اب میرے سامنے دو راستے تھے... پہلا یہ کہ میں ان غریبوں کو صدر کے حوالے کر دوں اور وہ آگے انشارجہ کے حوالے کر دیں... لیکن بھلا میں یہ کس طرح کر سکتا تھا... پروفیسر ڈان' پر نے تو ملک کے لیے ایٹمی خدمات انجام دی تھیں... آخر ان کا کیا قصور تھا کہ حکومت انہیں انشارجہ کے حوالے کرنے کی ٹھان چکی تھی... صرف اپنی حکومت بچانے کے لیے... کیا یہ ایک گھناؤنا سودا نہ ہوتا... سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ انہیں صدر کے حوالے نہیں کروں گا... اب سوال یہ ہے کہ وہ کہاں رہیں گے... اپنے ملک میں تو رہتے ہوئے ان کا بھید اگر کسی طرح کھل جاتا تو انہیں حکومت فوراً چھاپ لیتی... لہٰذا میں نے سوچا... انہیں شنٹون پہنچا دیا جائے... شنٹون کا سفر میں پہلے ہی احتیاطاً کر چکا تھا... کیونکہ مجھے اس قسم کی امید تھی۔ پروفیسر ڈان کوپر کے غائب ہونے پر میں پہلے ہی حیرت زدہ تھا... اور میں نے اندازہ قائم کیا تھا کہ اگر معاملہ الٹ نکلا تو کیا ہو گا... اس صورت میں شنٹون کے صدر سے مدد تو لی جا سکے گی... بس یہی سوچ کر پہلا سفر کیا تھا... اور شنٹون کے صدر کو بھی تیار رہنے کا اشارہ دے دیا تھا... انہوں نے وعدہ کر لیا کہ ہر ممکن مدد کریں گے... اس طرح جب مجھے پتا چلا کہ پروفیسر ڈان کوپر تو وہیں موجود ہیں تو میں نے انہیں فوری طور پر شنٹون لے جانے کا فیصلہ کیا... اپنے دو ماتحت میں پہلے ہی شنٹون سے لے آیا تھا... کیونکہ کچھ کچھ اندازہ لگا چکا تھا... سو پروفیسر ڈان کوپر اور ساباط کے چہروں پر اپنے ماتحتوں کا میک اپ کیا اور انہیں ایئر پورٹ لے آیا... اس

طرح ہم نہایت آسانی سے... شنٹون پہنچ گئے... میں نے پروفیسر ڈان کو پر، ساباط قونی، سوی اور پائلٹ کو ان کے حوالے کر دیا۔ اب مسئلہ تھا صدر ڈگام کو کیا بتا جائے... اس کے سلسلے میں ہم سب سر جوڑ کر بیٹھے... آخر محمود، فاروق اور فرزانہ نے یہ تجویز سامنے رکھی کہ صدر ڈگام کو بتایا جائے کہ ہم نے پروفیسر ڈان کو پر اور انہیں اغوا کرنے والے دو عدد مجرموں کو جہاز پر روانہ کر دیا ہے اور خود ہمیں ہمارے دوست نے ایک رات کے لیے روک لیا ہے، لہٰذا ہم صبح آپ کے پاس آئیں گے... اور جہاز پر صرف پائلٹ کو روانہ کیا گیا... جہاز اڑا اور اس کے کچھ دیر بعد ہی پائلٹ نے پیراشوٹ باندھ کر اس سے چھلانگ لگا دی... اس کے بعد ظاہر ہے جہاز کو گر کر تباہ ہی ہونا تھا... آگ لگانے کے لیے پائلٹ نے اس پر چند فائر کر دیے... اس طرح جہاز کو آگ بھی لگ گئی... اور صدر ڈگام اب یہ سمجھ رہے ہیں کہ پروفیسر ڈان کو پر مارے جا چکے ہیں... اور ظاہر ہے... انشارجہ بھی انہیں موت سے بڑھ کر تو کوئی سزا دے نہیں سکتا تھا... سو اس طرح بھی تو انہیں موت آ گئی... لہٰذا انشارجہ اب اس سے کیا مطالبہ کرے گا بھلا... ڈگام کے صدر کی پریشانی بھی ختم ہو گئی... اور پروفیسر ڈان کو پر، ساباط، ائیر ہوسٹس سوی اور پائلٹ یہ سب اب شنٹون میں ہیں... ان کے گھر کے افراد بھی کچھ مدت بعد شنٹون چلے جائیں گے... انہیں ساری بات سمجھا دی گئی ہے... اور یہ بھی بتا تا چلوں کہ اب پروفیسر ڈان کو پر شنٹون میں رہ کر ایٹم بم بنائیں گے... کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی... تو یہ تھی اس کیس کی تفصیلات... کیا خیال ہے تم سب کا۔"

"نہایت شان دار... بلکہ اس سے بھی کچھ آگے۔" ملی جلی

آوازیں سنائی دیں۔

اور وہ مسکرانے لگے۔

--------☆☆☆--------